اصولِ تکفیر
تکفیر فقہی و کلامی کی توضیح
تالیف و تحقیق
بحر العلوم حضرت علامہ مفتی
عبد المنان صاحب اعظمی علیہ الرحمہ
تقدیم
محمد حنیف خان رضوی بریلوی
شائع کردہ
جماعت رضائے مصطفیٰ (یو۔کے)

اصول تکفیر

(تکفیر فقہی وکلامی کی توضیح)

تالیف و تحقیق

شیخ الاساتذہ بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان صاحب اعظمی علیہ الرحمہ

تقدیم:

محمد حنیف خاں رضوی بریلوی حفظہ اللہ تعالیٰ

یہ کتاب حضرت حافظ الیاس امام مسجد رضا (بلیک برن) کے تعاون سے ان کے والدین اور دیگر اہل ایمان مرحومین کے ایصال ثواب کے لیے ہے۔

شائع کردہ:

جماعت رضائے مصطفیٰ - (یو-کے)

نام کتاب: اصول تکفیر (تکفیر فقہی و کلامی کی توضیح)

تالیف و تحقیق: حضرت علامہ **مفتی عبدالمنان صاحب اعظمی** علیہ الرحمہ

تقدیم: **محمد حنیف خاں رضوی بریلوی** حفظہ اللہ تعالیٰ

سیٹنگ: محمد عفیف رضا خان برکاتی

صفحات: 64

سنہ اشاعت: 1443ھ/2022ء

تعداد اشاعت: گیارہ سو (1100)

ملنے کا پتہ:

امام احمد رضا اکیڈمی، صالح نگر، بریلی شریف، یوپی- 243502

شائع کردہ:

جماعت رضائے مصطفیٰ - (یو-کے)

تقدیم

مسئلہ تکفیر فقہی وکلامی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عربی زبان کا مشہور مقولہ ہے: "تعرف الأشياء بأضدادها" یعنی چیزیں اپنی ضدوں سے پہچانی جاتی ہیں۔

متنبی کہتا ہے: "بضدها تتبين الأشياء" چیزیں اپنی ضدوں سے آشکارا ہوتی ہیں۔

ایمان وکفر کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے کہ ایمان کی معرفت جبھی ہوگی جب کفر کا معاملہ واضح ہوجائے کہ وہ کون سی چیزیں ہیں جن کا انکار کفر ہوتا ہے، اور کفر بھی ایمان کے مقابل آشکارا اسی وقت ہوگا جب ایمانیات کا عرفان حاصل ہوجائے۔

سیدنا اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس کو بایں الفاظ بیان فرمایا:

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ سید العالمین محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جو کچھ اپنے رب کے پاس سے لائے، ان سب میں ان کی تصدیق کرنا اور سچے دل سے ان کی ایک ایک بات پر یقین لانا ایمان ہے۔ أدامه الله لنا حتى نلقاه به يوم القيام وندخل به بفضل رحمته دار السلام أمين! اور معاذ اللہ ان میں کسی بات کا جھٹلانا اور اس میں ادنیٰ شک لانا کفر۔ (فتاویٰ رضویہ کامل: ۲۰/۱۷۵، مطبوعہ امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف)

یہاں بنائے کار اس پر ہوئی کہ ایک کو دوسرے کا مقابل اور اس کی ضد قرار دیا۔ اگر تمام باتوں کو مانتا ہے تو صاحب ایمان۔ اور ان میں سے کسی ایک کو بھی رد کردے تو کافر۔ کہ

اسلام وکفر کے درمیان واسطہ نہیں۔ پھر اس کی تفصیل میں جاکر انکار کو دو خانوں میں تقسیم کیا اور اسلام وایمان سے متعلق چیزیں دو طرح کی قرار دیں۔ فرماتے ہیں:

پھر یہ انکار جس سے خدا مجھے اور سب مسلمانوں کو پناہ دے دو طرح ہوتا ہے، **لزومی والتزامی۔ التزامی** یہ کہ ضروریات دین سے کسی شے کا تصریحاً خلاف کرے، یہ قطعاً اجماعاً کفر ہے، اگرچہ نامِ کفر سے چڑھے اور کمالِ اسلام کا دعویٰ کرے۔ کفرِ التزامی کے یہی معنی نہیں کہ صاف صاف اپنے کافر ہونے کا اقرار کرتا ہو، جیسا کہ بعض جہال سمجھتے ہیں۔ یہ اقرار تو بہت طوائفِ کفار میں بھی نہ پایا جائے گا، ہم نے دیکھا ہے بہتیرے ہندو کافر کہنے سے چڑھتے ہیں، بلکہ اس کے یہ معنی کہ جو انکار اس سے صادر ہوا، یا جس بات کا اس نے دعویٰ کیا، وہ بعینہٖ کفر ومخالفِ ضروریات دین ہو، جیسے طائفۂ تالفہ نیاچرہ کا وجودِ ملک وجن وشیطان وآسمان ونار وجنان ومعجزات انبیا علیہم افضل الصلوٰۃ والسلام سے اُن معانی پر کہ اہلِ اسلام کے نزدیک حضور ہادی برحق صلوات اللہ وسلامہٗ علیہ سے متواتر ہیں انکار کرنا، اور اپنی تاویلاتِ باطلہ وتوہماتِ عاطلہ کو لے مرنا، نہ ہرگز ہرگز ان تاویلوں کے شوشے انھیں کفر سے بچائیں گے، نہ محبتِ اسلام وہمدردیِ قوم کے جھوٹے دعوے کام آئیں گے۔﴿قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾۔

اور **لزومی یہ** کہ جو بات اس نے کہی عین کفر نہیں مگر منجر بکفر ہوتی ہے، یعنی مآلِ سخن ولازم حکم کو ترتیبِ مقدمات وتتمیم تقریبات کرتے لے چلیے تو انجام کار اس سے کسی ضروری دین کا انکار لازم آئے جیسے روافض کا خلافتِ حقہ راشدہ خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت جناب صدیق اکبر وامیر المومنین حضرت جناب فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے انکار کرنا کہ تضلیل جمیع صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی طرف مؤدی، اور وہ قطعاً کفر، مگر انھوں نے صراحۃً اس لازم کا اقرار نہ کیا تھا: بلکہ اس سے صاف تحاشی کرتے اور بعض صحابہ یعنی حضرات اہلِ

بیت عظام وغیرہم چند اکابر کرام علیٰ مولاھم وعلیھم الصلوٰۃ والسلام کو زبانی دعووں سے اپنا پیشوا بتاتے اور خلافت صدیقی وفاروقی پر ان کے توافق باطنی سے انکار رکھتے ہیں، اس قسم کے کفر میں علمائے اہلِ سنت مختلف ہوگئے، جنھوں نے مآلِ مقال ولازمِ سخن کی طرف نظر کی، حکمِ کفر فرمایا اور تحقیق یہ ہے کہ کفر نہیں بدعت وبدمذہبی وضلالت وگمراہی ہے۔والعیاذ باللہ رب العالمین۔

جب یہ امر ممہد ہولیا تواب ان امام وماموم کے کفریات لزومیہ گنیے۔امام کے کفروں کا توشمار ہی نہیں اس نے توصرف انھیں چند سطروں میں جو تنزیہ سوم میں اس سے منقول ہوئیں کفر لزومی کی سات اصلیں تیار کیں، جن میں ہر اصل صدہا کفر کی طرف منجر، اور اس کا مذہب مان کر ہر گز ان سے نجات نہ مفر، والعیاذ باللہ العلي الأکبر۔

(فتاویٰ رضویہ کامل:۲۰/۱۷۵،)

سیدنا اعلیٰ حضرت مزید وضاحت میں ایک مقام پر فرماتے ہیں:

غرض ضروریات (دین) کے سوا کسی شی کا انکار کفر نہیں اگرچہ ثابت بالقواطع ہو، کہ عند التحقیق آدمی کو اسلام سے خارج نہیں کرتا مگر انکار اس کا جس کی تصدیق نے اسے دائرۂ اسلام میں داخل کیا تھا، اور وہ نہیں مگر ضروریات دین۔ کما حققہ العلماء المحققون من الأئمة المتکلمین. ولہٰذا خلافت خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کا منکر مذہب تحقیق میں کافر نہیں حالانکہ اس کی حقانیت بالیقین قطعیات سے ثابت۔

(فتاویٰ رضویہ کامل ۵۶/۴)

دوسرے مقام پر ضروریات دین وغیرہا کی صراحت میں فرماتے ہیں:

مسائل تین قسم کے ہوتے ہیں:

ایک ضروریاتِ دین : اُن کا منکر بلکہ اُن میں ادنیٰ شک کرنے والا بالیقین کافر ہوتا ہے

ایسا کہ جو اس کے کفر میں شک کرے وہ بھی کافر۔

دوم ضروریاتِ عقائد اہل سنت: ان کا منکر بد مذہب گمراہ ہوتا ہے۔

سوم وہ مسائل کہ علمائے اہل سنت میں مختلف فیہ ہوں: اُن میں کسی طرف تکفیر و تضلیل ممکن نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ کامل: ۲۵۸/۱۸،)

اس کی مزید وضاحت حجۃ الاسلام نے اپنے رسالہ "الصارم الربانی" مشمولہ فتاویٰ رضویہ میں یوں فرمائی:

مانی ہوئی باتیں چار قسم ہوتی ہیں:

ضروریاتِ دین:

ان کا ثبوت قرآن عظیم یا حدیث متواتر یا اجماع قطعیات الدلالات واضحۃ الافادات سے ہوتا ہے جن میں نہ شبہے کی گنجائش نہ تاویل کو راہ۔ اور ان کا منکر یا ان میں باطل تاویلات کا مرتکب کافر ہوتا ہے۔

ضروریاتِ مذہبِ اہل سنت وجماعت:

ان کا ثبوت بھی دلیل قطعی سے ہوتا ہے۔ مگر ان کے قطعی الثبوت ہونے میں ایک نوعِ شبہہ اور تاویل کا احتمال ہوتا ہے اسی لیے ان کا منکر کافر نہیں بلکہ گمراہ، بدمذہب، بددین کہلاتا ہے۔

ثابتات محکمہ:

ان کے ثبوت کو دلیل ظنی کافی، جب کہ اس کا مفاد اکبر رائے ہو کہ جانب خلاف کو مطروح و مضمحل اور التفاتِ خاص کے ناقابل بنادے۔ اس کے ثبوت کے لیے حدیث احاد، صحیح یا حسن کافی، اور قول سوادِ اعظم وجمہور علما کی سند وافی، ((فإنّ يد الله على الجماعة)).

ان کا منکر وضوحِ امر کے بعد خاطی و آثم خطا کار و گناہگار قرار پاتا ہے، نہ بددین وگمراہ نہ

کافرو خارج از اسلام۔

ظنّیات محتملہ:

ان کے ثبوت کے لیے ایسی دلیل ظنّی بھی کافی جس نے جانبِ خلاف کے لیے بھی گنجائش رکھی ہو، ان کے منکر کو صرف مخطی وقصور وار کہا جائے گا نہ گنہ گار، چہ جائے کہ گمراہ، چہ جائے کہ کافر۔

ان میں سے ہر بات اپنے ہی مرتبے کی دلیل چاہتی ہے جو فرقِ مراتب نہ کرے اور ایک مرتبے کی بات کو اس سے اعلیٰ درجے کی دلیل مانگے وہ جاہل بے وقوف ہے یا مکّار فیلسوف۔۔۔۔۔۔۔ع: **ہر سخن وقتے ہر نکتہ مقامے دارد**

اور۔۔۔۔۔۔۔ع: **گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی**

اور بالخصوص قرآنِ عظیم بلکہ حدیث ہی میں تصریح صریح ہونے کی تو اصلاً ضرورت نہیں حتّٰی کہ مرتبہ اعلیٰ اعنی ضروریاتِ دین میں بھی۔

بہت باتیں ضروریاتِ دین سے ہیں جن کا منکر یقیناً کافر مگر بالتصریح ان کا ذکر آیات و احادیث میں نہیں، مثلاً باری عزوجل کا جہل محال ہونا۔

قرآن عظیم میں اللہ عزوجل کے علم واحاطہ کا لاکھ جگہ ذکر ہے مگر امتناع وامکان کی بحث کہیں نہیں، پھر کیا جو شخص کہے کہ واقع میں تو بے شک اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے، عالم الغیب والشہادۃ ہے، کوئی ذرّہ اس کے علم سے چھپا نہیں۔ مگر ممکن ہے کہ جاہل ہو جائے تو کیا وہ کافر نہ ہو گا کہ اس کے امکان کا سلبِ صریح قرآن میں مذکور نہیں۔ حاش للہ ! ضرور کافر ہے اور جو اسے کافر نہ کہے خود کافر، تو جب ضروریاتِ دین ہی کے ہر جزئیہ کی تصریح صریح، قرآن و حدیث میں ضرور نہیں تو ان سے اُتر کر اور کسی درجے کی بات پر یہ مڑچڑاپن کہ ہمیں تو قرآن ہی میں دکھاؤ ورنہ ہم نہ مانیں گے، نِری جہالت ہے یا صریح ضلالت، مگر جنون و تعصب کا علاج کسی کے پاس نہیں۔

تو خوب کان کھول کر سُن لو اور لوحِ دل پر نقش رکھو کہ جسے کہتا سنو ہم اماموں کا قول نہیں جانتے، ہمیں تو قرآن و حدیث چاہیے۔ جان لو کہ یہ گمراہ ہے، اور جسے کہتا سنو کہ ہم حدیث نہیں جانتے ہمیں صرف قرآن درکار ہے سمجھ لو کہ یہ بددین، دینِ خدا کا بدخواہ ہے۔

مسلمانو! تم ان گمراہوں کی ایک نہ سُنو۔ اور جب تمہیں قرآن میں شبہہ ڈالیں تم حدیث کی پناہ لو۔ اگر حدیث میں ایں وآں نکالیں تو ائمہ دین کا دامن پکڑو۔ اس درجے پر آکر حق و باطل صاف کھل جائے گا اور ان گمراہوں کا اڑایا ہوا سارا غبار حق کے برستے ہوئے بادلوں سے دھل جائے گا اور اس وقت یہ ضال، مضل طائفے بھاگتے نظر آئیں گے۔ ﴿ كَاَنَّهُمْ حُمُرٌ مُّسْتَنْفِرَةٌ ﴾ [۷۴ : المدثر: ۵۰و۵۱] (گویا وہ بھڑکے ہوئے گدھے ہوں کہ شیر سے بھاگے ہوں) . (الصارم الربانی ملخصًا) (فتاویٰ رضویہ کامل: ۲۶۰/۱۸)

پھر ضروریات دین کی مزید تفصیل ان الفاظ میں فرمائی:

نصوصِ قرآنیہ (اپنی مراد پر واضح آیاتِ فرقانیہ) و احادیثِ مشہورہ متواترہ (شہرت اور تواتر سے مؤیّد) و اجماعِ امت مرحومہ مبارکہ (کہ یہ قصرِ شریعت کے اساسی ستون ہیں اور شبہات و تاویلات سے پاک، ان میں سے ہر دلیل قطعی، یقینی واجب الاذعان والثبوت) ان سے جو کچھ دربارۂ الوہیت (ذات و صفاتِ باری تعالیٰ) و رسالت (و نبوت انبیا و مرسلین و وحی رب العلمین) (و کتب سماوی، و ملائکہ و جن و بعث و حشر و نشر و قیامِ قیامت، قضا و قدر) و ماکان و مایکون (جملہ ضروریاتِ دین) ثابت (اور ان دلائل قطعیہ سے مدلل ان براہین واضحہ سے مبرہن) سب حق ہیں اور ہم سب پر ایمان لائے، جنت اور اس کے جانفزا احوال کہ (ھلاعین رأت ولا أذن سمعت ولا خطر ببال أحدٍ۔ ["صحیح البخاری": کتاب التفسیر ۷۰۴/۲] وہ عظیم نعمتیں وہ نعیم عظمتیں اور جان و دل کو مرغوب و مطلوب وہ لذتیں جن کو نہ آنکھوں نے دیکھا نہ کانوں نے سُنا، اور نہ کسی کے دل پر اُن کا خطرہ گزرا)

دوزخ اور اس کے جاں گزا حالات (کہ وہ ہر تکلیف و اذیت جو ادراک کی جائے اور تصور میں لائی جائے، ایک ادنی حصہ ہے اس کے بے انتہا عذاب کا، والعیاذ باللہ) قبر کے نعیم و عذاب (کہ وہ جنت کی کیاریوں میں سے ایک کیاری ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا) منکر نکیر سے سوال و جواب روزِ قیامت حساب وکتاب ووزنِ اعمال (جس کی حقیقت اللہ جانے اور اس کا رسول) و کوثر (کہ میدانِ حشر کا ایک حوض ہے اور جنت کا طویل و عریض چشمہ) و صراط (بال سے زیادہ باریک، تلوار سے زیادہ تیز، پشتِ جہنم پر ایک پُل) و شفاعۃ عصاۃ اہلِ کبائر (یعنی گناہگاران اُمت مرحومہ کہ کبیرہ گناہوں میں ملوث رہے ان کے لیے سوالِ بخشش) اور اس کے سبب اہلِ کبائر کی نجات إلی غیر ذالك من الواردات سب حق (ہے اور سب ضروری القبول) جبر و قدر باطل (اپنے آپ کو مجبورِ محض یا بالکل مختار سمجھنا دونوں گمراہی)۔

ولٰکن أمر بین أمرین (اختیارِ مطلق اور جبر محض کے بین بین راہِ سلامتی اور اس میں زیادہ غور و فکر سبب ہلاکت، صدیق و فاروق رضی اللہ تعالٰی عنہما اس مسئلہ میں بحث کرنے سے منع فرمائے گئے۔ ماوشما کس گنتی میں) جو بات ہماری عقل میں نہیں آتی (اس میں خواہ مخواہ نہیں الجھتے اور اپنی اندھی اوندھی عقل کے گھوڑے نہیں دوڑاتے بلکہ) اس کو موکول بخدا کرتے (اللہ عزوجل کو سونپتے کہ واللہ أعلم بالصواب) اور اپنا نصیبہ ﴿اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾ [۳: اٰل عمران: ۷] بناتے ہیں (کہ سب کچھ حق کی جانب سے ہے سب حق ہے اور سب پر ہمارا ایمان)۔ (فتاویٰ رضویہ کامل: ۲۵۸/۱۸)

یہاں ایک اصولی بحث امام احمد رضا نے "الزلال الأنقیٰ من بحر سبقة الأتقیٰ" میں بھی فرمائی ہے، کتاب عربی زبان میں ہے، ہم یہاں اس کا ترجمہ اور کچھ وضاحتیں پیش کر رہے ہیں۔

فرماتے ہیں: اس مقام کی تحقیق یہ ہے کہ علم قطعی دو معنوں میں استعمال ہوتا ہے:

اول: احتمال بالکل ختم ہوجائے اور اس کا نام و نشان نہ رہے۔ یہ قطعی بالمعنیٰ الاخص ہے۔ یہ اس محکم و مفسر میں ہوتا ہے جو متواتر ہیں۔ اصول دین اور عقائد اسلام میں یہی مطلوب ہے۔

دوم: احتمال تو ہے مگر بلا دلیل۔ جیسے: مجاز، تخصیص، یا تاویل کی دوسری قسمیں جو ظاہر اور نص یا احادیث مشہورہ میں ہوتی ہیں۔ یہ قطعی بالمعنیٰ الاعم ہے۔

اول کا نام علم الیقین ہے۔ اس کا منکر و مخالف کافر ہے۔ البتہ یہاں ایک اختلاف ہے، فقہا منکر کو علی الاطلاق کافر کہتے ہیں اور متکلمین اس میں ضروریات دین کی قید لگاتے ہیں۔

دوم کا نام علم طمانیت ہے، اس کا مخالف و منکر بدعتی و گمراہ ہے۔ یہاں کافر کہنے کی گنجائش نہیں۔ جیسے: قیامت میں اعمال کا تولا جانا۔ دیدار الٰہی۔ آسمانوں کی بلندی تک معراج جسمانی۔

اسی طرح ظن کے دو معنی ہیں: ظنی بالمعنیٰ الاخص۔ ظنی بالمعنیٰ الاعم۔ (1)

---

(1) ظنی اسے کہتے ہیں جس میں کوئی احتمال ہو۔ اگر احتمال کسی دلیل کی بنیاد پر ہے تو یہ ظنی بالاخص ہے۔ اور بلا دلیل ہے تو ظنی بالاعم۔ اسی کو اعلیٰ حضرت نے فرمایا کہ عام کا مقابل خاص اور خاص کا مقابل عام ہوتا ہے۔ مزید وضاحت یوں ہے: کہ قطعی اور ظنی کے درمیان اگر ہر ایک کی قسموں کا لحاظ رکھا جائے تو نسبت عموم خصوص من وجہ کی ہے۔ یعنی ظنی اسے کہتے ہیں جس میں احتمال ہو، اگر احتمال بالدلیل ہے تو یہ ظنی بالمعنیٰ الاخص ہے، اور بلا دلیل ہے تو ظنی بالمعنیٰ الاعم ہے۔ چناں چہ قطعی بالمعنیٰ الاعم اور ظنی بالمعنیٰ الاعم مادۂ اجتماع ہے۔ کہ احتمال ہے تو ظنی ہوا۔ اور بلا دلیل ہے تو قطعی رہا۔ رہے قطعی بالمعنیٰ الاخص اور ظنی بالمعنیٰ الاخص تو ان دونوں میں افتراق و جدائی ہے۔ کیوں کہ قطعی اخص میں سرے سے احتمال ہی نہیں۔ اور ظنی اخص میں احتمال بالدلیل ہے۔ (مترجم)

اس کے بعد وضاحت فرمائی کہ:

مسئلہ تفضیل قطعی بالمعنیٰ الاعم ہے، اور ہم اس کے منکر کو کافر نہیں کہتے، البتہ بدعتی وگم راہ ہیں۔ اور جس نے یہ کہا کہ مسئلہ تفضیل میں نصوص متعارض ہیں لہذا استدلال ساقط۔ تو ایسا قول ساقط الاعتبار ہے اگر اس کی مراد تعارض حقیقی ہے۔ رہا تعارض صوری تو مسئلہ پر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اب بات واضح ہوگئی کہ ہمارے ائمہ کرام میں بعض نے جو مسئلہ تفضیل کو قطعی کہا ہے اور ظنی کی نفی کی تو اس کا مطلب یہ ہے کہ قطعی بالمعنیٰ الاعم ہے جس سے علم طمانیت حاصل ہوتا ہے۔ اور ظنی کی نفی سے ظنی بالمعنیٰ الاخص کی نفی ہے۔ یعنی اس میں کوئی احتمال بالدلیل نہیں۔ اور جنھوں نے ظنی کہا اور قطعی کی نفی کی تو مطلب یہ ہے کہ قطعی بالمعنیٰ الاخص نہیں جس میں سرے سے احتمال ہی نہیں ہوتا۔ یہ مسئلہ ایسا نہیں۔ اور ظنی سے مراد ظنی بالمعنیٰ الاعم ہے، جس میں احتمال تو ہوتا ہے مگر بلا دلیل۔ لہذا یہ اختلاف محض لفظی ہے۔

یہاں کسی کو یہ کھٹک ہو سکتی ہے کہ مسئلہ تو اعتقادی ہے پھر قطعی بالمعنیٰ الاعم یعنی ظنی بالمعنیٰ الاعم پر اعتماد کیوں کر روا ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ مسئلہ اصول اسلام سے نہیں۔ جیسے خلفائے راشدین کی خلافت۔

اس کے بعد فرمایا کہ:

ہماری تحقیق کے ذریعہ بہت سے اقوال میں تطبیق ہوگئی، لہذا اس کو اختیار کرلو۔

(الزلال الانقیٰ مشمولہ فتاویٰ رضویہ کامل جلد ۲۱/۲۴۵)

ان اقتباسات کی روشنی میں واضح ہوا کہ کفر التزامی صرف ضروریات دین کا انکار ہے، اور در حقیقت یہی کفر ہے، ایسے کفر کے حامل شخص کے کفر میں ادنیٰ شک کرنے والا بھی کافر ٹھہرتا ہے۔ باقی درجے یا تو بد مذہبی، گمراہی اور بد دینی ہیں۔ یا پھر خطا و گناہ۔ یا پھر قصور،

کوتاہی اور لغزش۔ اعلیٰ حضرت نے اس بات کی وضاحت بخوبی کردی ہے کہ لزوم کفر میں جن حضرات نے کسی کی تکفیر کی ہے توانھوں نے مآل مقال اور لازم سخن کی طرف نظر کی ہے، اور پھر اعلیٰ حضرت نے فیصلہ سنادیا ہے کہ: **تحقیق یہ ہے کہ کفر نہیں بدعت و بدمذہبی وضلالت وگمراہی ہے، والعیاذ باللہ تعالیٰ۔**

ان تمام عبارتوں کو بغور پڑھیے اور پھر امام احمد رضا کی یہ عبارتیں بھی ملاحظہ کیجیے:

بالجملہ ماہِ نیم ماہ و مہرِ نیمروز کی طرح ظاہر وزاہر کی اس فرقۂ متفرقہ یعنی وہابیہ اسماعیلیہ اوراس کے امامِ نافرجام پر جزماً قطعاً یقیناً اجماعاً بہ وجوہ کثیرہ کفر لازم، اور بلاشبہ جماہیر فقہائے کرام واصحابِ فتویٰ اکابر واعلام کی تصریحات واضحہ پر یہ سب کے سب مرتد، کافر۔ بہ اجماعِ ائمہ ان سب پر اپنے تمام کفریاتِ ملعونہ سے بالتصریح توبہ و رجوع اور از سرِ نو کلمۂ اسلام پڑھنا فرض وواجب، اگرچہ ہمارے نزدیک مقام احتیاط میں اکفار سے کف لسان ماخوذ و مختار ومرضی ومناسب والله سبحٰنه وتعالىٰ أعلم وعلمه جل مجده أتم وأحكم.

(فتاویٰ رضویہ کامل: ۲۰/۱۷،)

پھر یہ عبارت:

یہ حکم فقہی متعلق بہ کلمات سفہی تھا مگر اللہ تعالیٰ کی بے شمار رحمتیں بے حد برکتیں ہمارے علمائے کرام، عظمائے اسلام معظمین کلمۂ خیر الانام علیہ وعلیہم الصلوٰۃ والسلام پر کہ یہ کچھ دیکھتے، وہ کچھ سخت وشدید ایذائیں پاتے، اس طائفہ تالفہ کے پیر وپیَر وسے ناحق ناروا بات بات پر سچے مسلمانوں، خالص سنیوں کی نسبت حکم کفر وشرک سنتے، ایسی ناپاک وغلیظ گالیاں کھاتے ہیں، بایں ہمہ نہ شدتِ غضب دامنِ احتیاط ان کے ہاتھ سے چھڑاتی، نہ ان نالائق ولایعنی خباثتوں پر قوت انتقام حرکت میں آتی ہے، وہ اب تک یہی تحقیق فرمارہے ہیں کہ لزوم والتزام میں فرق ہے، اقوال کا کلمۂ کفر ہونا اور بات، اور قائل کو کافر مان لینا اور بات،

ہم احتیاط برتیں گے، سکوت کریں گے۔ جب تک ضعیف سا ضعیف احتمال ملے گا، حکمِ کفر جاری کرتے ڈریں گے۔ فقیر غفرلہ تعالیٰ نے اس مبحث کا قدرے بیان آخر رسالہ «سبحٰن السبوح عن عیب کذب مقبوح» (۱۳۰۷ھ) میں کیا اور وہاں بھی بآں کہ اس امام طائفہ پر صرف ایک مسئلۂ امکانِ کذب میں اٹھتر ۷۸ وجہ سے لزوم کفر کا ثبوت دیا، کفر سے کف لسان ہی کیا، بالجملہ اس طائفہ حائفہ خصوصًا ان کے پیشوا کا حال مثلِ یزید پلید علیہ ماعلیہ ہے کہ محتاطین نے اس کی تکفیر سے سکوت پسند کیا، ہاں یزید مَرِید اور ان کے امامِ عنید میں اتنا فرق ہے کہ اس خبیث سے ظلم وفسق وفجور متواتر مگر کفر متواتر نہیں۔ اور ان حضرت سے یہ سب کلماتِ کفر اعلیٰ درجہ تواتر پر ہیں، پھر اگرچہ ہم براہ احتیاط تکفیر سے زبان روکیں، ان کے خسار وبوار کو یہ کیا کم ہے کہ جماہیر ائمۂ کرام، فقہاے اسلام کے نزدیک ان پر بہ وجوہِ کثیرہ کفر لازم، والعیاذ باللہ القیوم الدائم۔ (فتاویٰ رضویہ کامل: ۲۰/۸۹،)

اور آخر میں یہ عبارت بھی دیکھیے:

خاتمہ تحقیق حکم قائل میں. **أقول** :وبالله التوفيق ،اللهم اغفرلنا وقنا الضلال والكفر. جانِ برادر! یہ پوچھتا ہے کہ ان کا یہ عقیدہ کیسا ہے اور ان کے پیچھے نماز کا کیا حکم ہے، یہ پوچھ کہ ان امام وماموم پر ایک جماعتِ ائمہ کے نزدیک کتنی وجہ سے کفر آتا ہے۔ حاش للہ حاش للہ، ہزار ہزار بار حاش للہ۔ میں ہرگز ان کی تکفیر پسند نہیں کرتا، ان مقتدیوں یعنی مدعیانِ جدید کو تو ابھی تک مسلمان ہی جانتا ہوں اگرچہ ان کی بدعت وضلالت میں شک نہیں، اور امام الطائفہ کے کفر پر بھی حکم نہیں کرتا کہ ہمیں ہمارے نبی ﷺ نے اہل لاالہ الا اللہ کی تکفیر سے منع فرمایا ہے، جب تک وجہِ کفر آفتاب سے زیادہ روشن وجلی نہ ہوجائے اور حکم اسلام کے لیے کوئی اصلاً ضعیف سا ضعیف محمل بھی نہ رہے فإن الإسلام يعلو ولا يعلى ۔ مگر یہ کہتا ہوں اور

بے شک کہتا ہوں کہ بلا ریب ان تابع و متبوع سب پر ایک گروہِ علما کے مذہب میں بہ وجوہِ کثیرہ کفر لازم۔ والعیاذ باللہ ذي الفضل الدائم۔ (فتاویٰ رضویہ کامل: ۲۰/۱۷۴،)

ان تینوں عبارتوں میں غور کیجیے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ فرمارہے ہیں کہ جمہور فقہائے کرام کے نزدیک وہ (امام الطائفہ اسماعیل دہلوی وغیرہ) جن کا ذکر الکوکبۃ الشہابیہ میں کیا، جزماً قطعاً یقیناً اجماعاً سب کے سب مرتد و کافر۔

لیکن اعلیٰ حضرت نے مقام احتیاط میں کافر کہنے سے کف لسان فرمایا، اور متکلمین و محتاطین اور محققین فقہا کا موقف اپنایا۔ اور اس کی وضاحت بھی فرمادی کہ اقوال کا کفر ہونا اور بات ہے اور قائل کو کافر مان لینا اور بات، ہم احتیاط برتیں گے، سکوت کریں گے، جب تک ضعیف سا ضعیف احتمال ملے گا، حکمِ کفر جاری کرتے ڈریں گے۔

اور فرماتے ہیں:

جب تک وجہ کفر آفتاب سے زیادہ روشن و جلی نہ ہو جائے اور حکم اسلام کے لیے کوئی اصلاً ضعیف سا ضعیف محمل بھی نہ رہے فإن الإسلام يعلو ولا يعلى ۔ مگر یہ کہتا ہوں اور بے شک کہتا ہوں کہ بلا ریب ان تابع و متبوع سب پر ایک گروہِ علما کے مذہب میں بہ وجوہِ کثیرہ کفر لازم۔ والعیاذ باللہ ذي الفضل الدائم۔

یہاں آکر بات واضح ہو گئی کہ امام احمد رضا کے نزدیک اسماعیل دہلوی کے کفر التزامی میں کوئی شبہہ ضرور تھا اور ضعیف سا ضعیف محمل باقی تھا۔

لیکن وہ ضعیف محمل کیا تھا؟ اعلیٰ حضرت نے اس کو بیان تو نہیں فرمایا لیکن مندرجہ بالا عبارتوں میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اعلیٰ حضرت جب اتنی شدت سے بیان فرما رہے ہیں کہ: جب تک وجہ کفر آفتاب سے زیادہ روشن و جلی نہ ہو جائے اور حکم اسلام کے لیے کوئی اصلاً ضعیف سا ضعیف محمل بھی نہ رہے،..... تو یہ اشارہ ضرور ملتا ہے کہ کوئی شبہہ اور

احتمال ایسا ضرور تھا جس کی وجہ سے وجہِ کفر آفتاب سے زیادہ روشن نہ ہو سکی۔ اور ضعیف سا ضعیف احتمال باقی رہا، لہٰذا مقام احتیاط میں کف لسان فرمایا۔ لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ اعلیٰ حضرت نے امام الطائفہ کو کہیں مسلمان بھی نہیں لکھا اگرچہ اس کے مقتدیوں کو مسلمان کہا ہے جیساکہ گزشتہ ایک عبارت میں قارئین نے ملاحظہ کیا۔

سوال یہ ہے کہ آپ کی نظر میں جو ضعیف محمل تھا آپ نے اس کو بیان کیوں نہیں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اقوال کفریہ کے متعلق مفتی پر لازم ہے کہ ان کی قباحتوں، شناعتوں اور خباثتوں کو خوب خوب بیان کرے تاکہ عوام الناس خوف کھائیں اور ایسا بولنے یا لکھنے کی جسارت نہ کر سکیں۔ نہ کہ تاویل بتا کر شقاوت وضلالت کی راہ کھولے اور عوام کو جسور و جری بنائے۔ امام احمد رضا قدس سرہ فتاویٰ رضویہ جلد ششم کے منہیہ میں فرماتے ہیں:

تنبیہ ضروری: واقف منصب افتا جانتا ہے کہ مفتی سے جس کلامِ باطل وضلال کی نسبت سوالِ سائل ہو اس پر کلام کی شناعتوں کا اظہار اور قباحتوں کا ایضاح واجب اگرچہ قائل محض عامی و جاہل ہو کہ اتمام جواب و احکام صواب اس پر موقوف۔

(فتاویٰ رضویہ قدیم، جلد ششم)

میں اس مقام پر کسی تفصیل میں نہیں جانا چاہتا، ہمارے علمائے کرام نے اس موضوع پر بہت کچھ لکھ دیا ہے، مجھے نہایت اختصار سے مسئلۂ تکفیر التزامی و لزومی سمجھانا ہے۔ یہاں بتانا صرف اس قدر ہے کہ جہاں کوئی شبہہ نہ رہے اور احتمال جڑ سے کٹ جائے، اور جہاں کہیں احتمال ہو خواہ ضعیف، ان دونوں کو سمجھنے کے لیے ہمارے علمائے کرام نے ایک اصول بتایا ہے کہ:

صریح بات دو طرح کی ہوتی ہے: ایک ایسی کہ جو اپنے معنیٰ و مفہوم میں متعیّن ہو نہ اس میں کسی تاویل قریب کا احتمال ہو اور نہ بعید کا۔ دوسری وہ جس میں کسی تاویل قریب کا تو

احتمال نہیں لیکن بعید کا احتمال ہے، پہلی صریح متعین ہے اور دوسری صریح متبیّن۔ اور صریح متبیّن کا حکم یہ ہے کہ اس میں قائل کی نیت نہیں دیکھی جاتی بلکہ ظاہر معنی و مفہوم پر حکم ضرور لگتا ہے، یہ عند الفقہا ہے اور اگر صریح متعیّن ہو تو پھر حکم میں مزید قوت آجاتی ہے کہ جانب خلاف کو مضمحل کر دیتی ہے اور حکم جزماً قطعاً یقیناً لگتا ہے۔ عند الفقہا بھی اور عند المتکلّمین بھی۔

فقہا کے نزدیک صریح کا اطلاق متبیّن و متعیّن دونوں پر ہوتا ہے اور متکلّمین جب کہیں کہ یہ قول صریح ہے تو اس سے مراد صرف متعیّن ہوتا ہے۔ اسی طرح عند الفقہا تاویل بعید مقبول نہیں اور عند المتکلّمین تاویل بعید مقبول ہے۔

سیدنا حضور مفتی اعظم فرماتے ہیں:

صریح کا اطلاق متبیّن و متعیّن دونوں پر ہوتا ہے، یوں ہی تاویل کا لفظ بعید و متعذر دونوں کے لیے بولا جاتا ہے، یہ عند الفقہا ہے، متکلّمین کے نزدیک صریح سے مراد صرف متعیّن ہے۔ (الموت الاحمر)

یہاں یہ بات ملحوظ خاطر رہے کہ مذکورہ بالا تفصیل صرف اور صرف کسی کلام کے تعلق سے ہے۔ کہ کلام کی طرف نظر کرتے ہوئے تاویل قریب و بعید اور احتمال با دلیل و بے دلیل کی بات کہی جاتی ہے۔ اس کے بر خلاف اگر اسی طرح کے کلام کے تعلق سے متکلّم خود اپنی مراد واضح کر دے جو معنی کفری ہی ہو تو اس صورت میں خود متکلّم کی طرف سے وہ لفظ صریح ایک معنی میں متعیّن ہو جائے گا اور جانب مخالف کا احتمال باقی ہی نہیں رہے گا۔

یہ تمام تفصیلات سامنے رکھتے ہوئے مقصود کی طرف چلیے کہ:

امام احمد رضا نے امام الطائفہ شاہ اسماعیل دہلوی کی تکفیر سے کیوں کف لسان کیا اور علامہ فضل حق خیر آبادی نے کیوں تکفیر کی، اور پھر علامہ کا امام الطائفہ کی تکفیر کے بعد یہ جملہ جس کا مفہوم "من شك فی کفره و عذابه فقد کفر" واضح کر رہا ہے کہ آگے چل

کر اگر کوئی امام الطائفہ کے کفر میں شک کرے تو وہ بھی کافر ٹھہرے گا، اس لحاظ سے یہ حکم امام احمد رضا اور ان تمام علمائے اہل سنت پر لگتا ہے جو شاہ اسماعیل کی تکفیر نہیں کرتے؟۔

ایک بات یہاں یہ بھی کہی جاتی ہے کہ شاہ اسماعیل کی کتابیں تقویۃ الایمان، صراط مستقیم، اور رسالہ یکروزی وغیرہ جب صریح کفریات پر مشتمل ہیں جیسا کہ امام احمد رضا نے جگہ جگہ ان کو بیان کیا کہ یہ صریح کلمہ کفر ہے، یہ صراحۃً کفر ہے۔ تو صریح کفر کے بعد پھر تکفیر نہ کرنا چہ معنی دارد؟

یہ وہ مغالطے ہیں جو بعض مخالفین اور صلح کلیوں کی طرف سے بار بار پیش کر کے سطحی معلومات رکھنے والوں کو غلط فہمی میں مبتلا کیا جاتا ہے۔

اس گتھی کو سلجھانے کے لیے علمائے اہل سنت وجماعت کی طرف سے متعدّد جوابات ہیں: راقم الحروف غور وفکر اور اپنی ناقص تتبع وتلاش کے بعد ایسے تین جواب پیش کر رہا ہے:

جواب اول:

علامہ فضل حق خیرآبادی اور آپ کے رفقا کے سامنے جب اسماعیل دہلوی اور اس کے حواری کوئی ایسی تاویل بعید بھی نہ کر سکے جو اسلام کی طرف لے جاتی۔ تو امام الطائفہ کا تاویل سے عجز خود اس بات پر دلیل ہوا کہ اس نے اپنے اقوال کفریہ سے التزام کفر کیا، اور جب جب التزام کفر پایا جائے گا تکفیر کلامی ہوگی، اور من شک الخ ان سب کے تعلق سے ہوگا جن کو اس کے التزامی کفر کی اطلاع بطور تواتر پہنچے گی۔ تفصیل آرہی ہے۔ یہاں ایک قابل لحاظ اور نہایت مفید تشریح فقیہ عصر مفتی محمد مطیع الرحمٰن صاحب مضطر نے یوں فرمائی:

(من شك فی کفره وعذابه فقد کفر) ”ہ“ ضمیر کا مرجع ”منکر ضروریات الدین“ ہے تو معنی یہ ہوئے کہ (من شك فی کفر منکر ضروریات الدین وعذابه فقد

کفر) اور جس کے نزدیک منکر ضروریات دین ہونا، بداہۃً متحقق نہ ہوا، وہ اگر شک کرتا ہے تو دراصل وہ (من شك فی كفره وعذابه) کا مصداق ہی نہیں۔ اس لیے کہ "مَن" کا عموم اس کو شامل نہیں۔ نہ یہ کہ "مَن" کا عموم تو اس کو شامل ہے، پھر بھی حکم کفر اس سے متعلق نہیں، چنانچہ اسی طرح بلکہ اس سے بڑھ کر قرآن کریم میں ارشاد ربانی ﴿وَمَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا﴾ ہے، جس کے معنی ہیں (من دخله بعد ما صار مباح الدم) اور جو پہلے سے مباح الدم نہ ہو [بلکہ بعد دخول مباح الدم ہوا]، وہ "من دخله" کا مصداق نہیں اس لیے "من" کا عموم اس کو شامل نہیں، نہ یہ کہ "من" کا عموم اس کو شامل ہے پھر بھی حکم امن اس سے متعلق نہیں۔

اور صریح کلمۂ کفر ماننے اور تکفیر کلامی نہ کرنے کی وجہ سیدی حضور مفتی اعظم علیہ الرحمۃ والرضوان نے ایک سطر میں بیان کر دی ہے، فرماتے ہیں: **صریح مقابل کنایہ ہے اسے ظہور کافی نہ کہ احتمال کا نافی۔** (الموت الاحمر، مشمولہ رسائل مفتی اعظم جلد ہفتم ص ۴۲)

یعنی یہاں اس صریح کا ذکر ہے جو اپنے معنی میں متبین ہوتا ہے، اس کا نہیں جو متعیّن ہوتا ہے، لہٰذا تکفیر بکفر لزومی ہوگی جو جمہور فقہا کا مسلک ہے، اسی کو تکفیر فقہی کہا جاتا ہے، اور اس کا اثبات امام احمد رضا نے جابجا کیا لیکن مقام احتیاط میں متکلّمین کا مسلک اپنایا اور اکفار سے کف لسان ماخوذ و مختار بتایا۔

جواب دوم:

امام الطائفہ کے اقوال امام احمد رضا تک بطور تواتر پہنچے، اسی لیے تو فرماتے ہیں:

ہاں یزید مَرید اور ان کے امامِ عنید میں اتنا فرق ہے کہ اس خبیث سے ظلم و فسق و فجور متواتر مگر کفر متواتر نہیں۔ اور ان حضرت سے یہ سب کلماتِ کفر اعلیٰ درجۂ تواتر پر ہیں۔

باایں ہمہ شاہ اسماعیل کی عبارات میں معنی کفری مراد ہونے کا تعین خود امام الطائفہ کی جانب سے بطور تواتر امام احمد رضا تک نہیں پہنچا۔ اور نہ ہی خود امام نے اس کا زمانہ پایا کہ بلا واسطہ اتمام حجت کر کے کسی ایک ایسے معنی کا تعین ہوتا جو کفری ہی ہے۔

اگر چہ کچھ علما نے جامع مسجد دہلی میں بحث و مباحثہ کر کے شاہ اسماعیل کو ساکت و لاجواب کیا۔ ان سے مؤاخذے فرمائے۔ الزام دیے۔ مناظرے کیے۔ اور اس مباحثہ میں شاہ اسماعیل کوئی احتمال بلادلیل بھی نہ بتا سکے اور تاویل بعید سے بھی عاجز رہے۔ تو ان علما کے نزدیک شاہ اسماعیل کے اقوال معنی کفری میں متعیّن ہو گئے، لہٰذا انھوں نے تکفیر کلامی کی جن میں علامہ فضل حق خیر آبادی کا نام بطور خاص لیا جاتا ہے اور ان کا فتویٰ بھی استفتا کے جواب میں سیف الجبار مصنفہ علامہ فضل رسول بدایونی میں منقول ہے۔ لیکن اس کے بارے میں ہمارے علما نے فرمایا (خواہ امام احمد رضا نے سیف الجبار کو ملاحظہ کیا ہوا) لیکن یہ تواتر نہیں۔

سیف الجبار میں ہے:

مولوی فضل حق صاحب خیر آبادی نے ہر طرح مولوی اسماعیل کے روبرو ان کا رد و ابطال کیا اور تکفیر کی نوبت تحریر کی آئی، مسئلہ شفاعت میں مولوی اسماعیل نے حرکت مذبوحی کچھ جواب میں کی، آخر عاجز و ساکت ہو گئے اور "تحقیق الفتویٰ فی رد اہل الطغوی" کمال شرح و بسط سے مولوی فضل حق صاحب نے لکھا۔

(سیف الجبار [جدید ایڈیشن] ص ۹۸، مطبوعہ تاج الفحول اکیڈمی، بدایوں)

اس پر فقیہ عصر مفتی محمد مطیع الرحمٰن صاحب مضطر لکھتے ہیں:

جس سے علامہ فضل حق وغیرہ کے نزدیک مولوی اسماعیل دہلوی کی عبارتوں میں ظاہر کے خلاف معنی کا احتمال بلادلیل بھی نہ رہا اور وہ عبارتیں توہین کے معنوں میں مفسر و متعیّن ہو گئیں۔ (اہل قبلہ کی تکفیر ص ۵۶)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ علامہ اور آپ کے رفقا کے نزدیک اس کی عبارات معنی کفر میں متعیّن ہو گئی تھیں، لہٰذا تکفیر کلامی لازمی تھی۔ اور امام احمد رضا تک یہ فتویٰ پہنچا بھی تو سیف الجبار کے واسطے سے، اور تحقیق الفتویٰ کی اولین طباعت بہت بعد میں مکتبہ قادریہ جامعہ نظامیہ لاہور سے ہوئی، یعنی اعلیٰ حضرت کے وصال سے ۵۰۔۶۰ سال بعد۔ اور تکفیر لزومی اعلیٰ حضرت نے ۱۳۱۲ میں کی۔

اور سیف الجبار میں اندراج تواتر نہیں۔ جس کو کتابوں میں مندرج عبارتوں کے احوال دیکھنا ہوں (کہ کب ان کا ثبوت ہوگا اور کب نہیں۔ نیز یہ کب متواتر کہلائیں گی اور کب نہیں) تو فتاویٰ رضویہ میں اعلیٰ حضرت کا رسالہ "حجب العوار عن مخدوم بہار" (مشمولہ فتاویٰ رضویہ کامل جلد ۲۱) کا مطالعہ کرے۔

اس کے بعد فقیہ عصر مفتی محمد مطیع الرحمٰن صاحب مزید لکھتے ہیں:

اور اگر علی سبیل تنزل فرض بھی کر لیا جائے کہ امام احمد رضا کو "سیف الجبار" کی اس عبارت کا علم تواتر کے طور پر ہو چکا تھا، تو بھی اسمٰعیل دہلوی کے تاویل نہ کر سکنے کا علم تواتر کے طور پر نہیں ہوا، کیوں کہ یہ روایت امام احمد رضا تک سیف الجبار کے مصنف حضرت علامہ فضل رسول بدایونی کے ذریعے پہنچی۔ اور علامہ فضل رسول باآں علم و فضل بھی فرد واحد ہیں، اس لیے یہ خبر واحد ہی ہے۔ (اہل قبلہ کی تکفیر ص ۵۹)

یعنی بالفرض اولاً و آخراً تواتر کے باوجود درمیان میں تواتر قائم نہ رہا تو اعلیٰ حضرت تک اسمٰعیل دہلوی کی تکفیر کلامی خبر واحد سے پہنچی۔

اور یہ بات واضح ہے کہ کسی شخص خاص کی تکفیر کلامی خبر واحد کی بنیاد پر نہیں کی جا سکتی۔

جواب سوم:

شاہ اسمٰعیل دہلوی کی توبہ مشہور ہوئی، اگرچہ اس کا ثبوت شرعی نہ ہوا، (اگر ثبوت

شرعی ہو جاتا تو سیدنا اعلیٰ حضرت ضرور اس کو مسلمان قرار دیتے اور تکفیر فقہی بھی نہ کرتے) اور اقوال کفریہ تواتراً نقل ہوتے رہے لیکن شہرت توبہ سے ایک شبہہ ضرور پیدا ہوا، اور کسی شخص خاص کے بارے میں عدم توبہ پر جزم نہ ہو، اور توبہ کے بارے میں شبہہ پیدا ہو جائے تو علمائے محتاطین بر مسلک متکلّمین وفقہائے محققین تکفیر کلامی نہیں کرتے۔

اس کی تفصیل سیدنا اعلیٰ حضرت کے خلیفۂ اجل صدر الافاضل (علیہما الرحمہ) «اطیب البیان» کے آخر میں لکھتے ہیں:

تقویۃ الایمان کے کثیر کفریات مذکور ہو چکے ہیں۔ حضرات انبیائے کرام اور سید انبیا علیہ وعلیہم الصلاۃ والسلام کی توہین وتنقیص کے کلمات اور ان کی شان میں بے ادبانہ بدگوئیوں اور گستاخیوں سے کتاب بھری ہوئی ہے، ایسے کلمات بے شک کفر ہیں۔ لیکن چونکہ اسمٰعیل کی نسبت یہ مشہور تھا کہ اس نے اپنے تمام اقوال سے توبہ کر لی تھی، اس لیے علمائے محتاطین نے اس کو کافر کہنے سے احتیاطاً زبان روکی، اور اقوال کو کفر وضلال بتایا۔ اس کا تو اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ اس نے واقع میں توبہ کی تھی یا نہیں۔ اگرچہ آج کل کے وہابیہ جو اس کے کفریات کی حمایت وترویج کرتے ہیں وہ توبہ کے منکر ہیں، چناں چہ مولوی رشید احمد گنگوہی سے کسی نے سوال کیا کہ:

ایک بات یہ مشہور ہے کہ مولوی اسمٰعیل صاحب شہید نے اپنے انتقال کے وقت بہت سے آدمیوں کے روبرو بعض مسائلِ تقویۃ الایمان سے توبہ کی ہے، آپ نے بھی یہ بات کہیں سنی ہے۔ یا محض افترا ہے؟۔

اس کے جواب میں لکھتے ہیں: ”توبہ کرنا ان کا بعض مسائل سے محض افترا اہل بدعت کا ہے“۔ (فتاوی رشیدیہ حصہ اول ص ۶۲) (1)

---

(1) اور پرانے وہابی اکثر یہی کہا کرتے تھے کہ مولوی اسمٰعیل صاحب ان کفریات سے توبہ کر کے مرے ہیں۔ ۱۲

علمائے کرام یزید جیسے بدبخت شقی پلید کے حق میں لعن سے احتیاط فرماتے ہیں، یہی حال اسمعیل کا ہے جس کی توبہ کی شہرت تھی۔

لیکن اسمعیل کے بعد وہابیہ کے دوسرے پیشواؤں نے شان انبیا علیہم السلام میں شدید گستاخیاں کیں، اور توہین کے نہایت ناپاک کلمات لکھے، اور باوجود بار بار رد کے ان پر مصر رہے، توبہ کی طرف مائل نہ ہوئے، ان کی تکفیر میں علمائے عرب وعجم نے کوئی تامل نہ فرمایا، اور نہ ایسی حالت میں شریعت طاہرہ تامل کی اجازت دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان حضرات کو ان کی نیت وحسنِ عمل کی جزا عطا فرمائے اور اپنے بندوں کو کفر وضلالت سے بچائے۔ آمین

(اطیب البیان ص ۴۷۴، ۴۷۵)

یہاں سے واضح ہوا کہ اسمعیل دہلوی کی تکفیر فقہی کیوں اور رشید احمد گنگوہی وغیرہ کی تکفیر کلامی کی وجہ کیا۔

سیدنا اعلیٰ حضرت کے تربیت یافتہ ایک دوسرے خلیفۂ اجل صدر الشریعہ (علیہما الرحمہ) اپنی مشہور کتاب **"بہار شریعت"** میں لکھتے ہیں:

عقیدہ: ایمان وکفر میں واسطہ نہیں، یعنی آدمی یا مسلمان ہوگا یا کافر، تیسری صورت کوئی نہیں کہ نہ مسلمان ہو نہ کافر۔

اس پر حاشیہ تحریر فرماتے ہیں:

ہاں یہ ممکن ہے کہ ہم بوجہ شبہہ کسی کو نہ مسلمان کہیں نہ کافر، جیسے یزید پلید واسمٰعیل دہلوی۔ ۱۲ منہ (بہارت شریعت حصہ اول ص ۵۴، مطبوعہ قادری کتاب گھر، بریلی شریف)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ صدر الشریعہ کے نزدیک بھی یہ شبہہ تھا۔

قارئین اگر مزید وضاحت چاہتے ہیں تو اعلیٰ حضرت کا یہ فتویٰ ملاحظہ کریں:

یزید پلید علیہ ما یستحقہ من العزیز المجید قطعا یقینا باجماع اہل سنت فاسق وفاجر وجری

علی الکبائر تھا۔ اس قدر پر ائمہ اہل سنت کا اطباق واتفاق ہے، صرف اس کی تکفیر و لعن میں اختلاف فرمایا۔ امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے اتباع و موافقین اسے کافر کہتے اور بہ تخصیصِ نام اس پر لعن کرتے ہیں۔

چند سطر بعد تحریر فرماتے ہیں:

اور ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لعن وتکفیر سے احتیاطاً سکوت فرمایا کہ اس سے فسق وفجور متواتر ہیں کفر متواتر نہیں، اور بحال احتمال نسبت کبیرہ بھی جائز نہیں نہ کہ تکفیر، اور امثال وعیدات مشروط بعدم توبہ ہیں۔ لقولہ تعالیٰ: ﴿فَسَوْفَ يَلْقَوْنَ غَيًّا ۝ إِلَّا مَنْ تَابَ﴾ اور توبہ تادم غرغرہ مقبول ہے اور اس کے عدم پر جزم نہیں اور یہی احوط واسلم ہے۔

(فتاویٰ رضویہ کامل ۱۱/۱۳۵)

امام احمد رضا نے جو یہ فرمایا کہ:

بالجملہ اس طائفہ حائفہ خصوصاً ان کے پیشوا کا حال مثلِ یزید پلید علیہ ماعلیہ ہے کہ محتاطین نے اس کی تکفیر سے سکوت پسند کیا، ہاں یزید مَرید اور اِن کے امامِ عنید میں اتنا فرق ہے کہ اس خبیث سے ظلم وفسق وفجور متواتر مگر کفر متواتر نہیں۔ اور ان حضرت سے یہ سب کلماتِ کفر اعلیٰ درجۂ تواتر پر ہیں، پھر اگرچہ ہم براہ احتیاط تکفیر سے زبان روکیں، ان کے خسار و بوار کو یہ کیا کم ہے کہ جماہیر ائمۂ کرام، فقہائے اسلام کے نزدیک ان پر بہ وجوہِ کثیرہ کفرلازم، والعیاذ باللہ القیوم الدائم۔ (فتاویٰ رضویہ کامل، جلد ۸۹/۲۰)

اور یہ فرمایا کہ: جب تک ضعیف سا ضعیف احتمال ملے گا حکم کفر جاری کرتے ڈریں گے۔

اس پس منظر میں کیا بعید کہ یہ عبارتیں اسی شبہہ کی جانب مشیر ہوں۔ اور توبہ پر عدم جزم کی وجہ سے لزوم کفر کا قول واقعی قرار دیا جائے۔

لہٰذا ان تفصیلات کی روشنی میں نہایت منصف مزاجی سے وہ لوگ غور کریں جو طالب تحقیق ہیں کہ کیا شاہ اسمٰعیل دہلوی۔ اور مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی اشرف علی تھانوی، مولوی قاسم نانوتوی اور مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کا معاملہ یکساں ہے؟۔

مؤخر الذکر چاروں سرخیل دیابنہ کی عبارات کفریہ اپنے معنی کفری میں متعیّن ہیں کہ ان سے بار بار مطالبے ہوئے کہ یا تو کوئی ایسی توجیہ و تاویل پیش کریں جو اسلام کی طرف لے جاتی ہو۔ یا پھر توبہ کریں اور ان عبارات کو کتابوں سے نکال دیں، لیکن نہ کوئی توجیہ کر سکے، اور توجیہات کرنے بیٹھے بھی تو ایسی تاویلات کیں کہ ان کو مزید کفر کے گڑھے میں ڈھکیلنے کے مترادف۔ مناظرے و مباحثے ہوئے، اتمام حجت ہوگئی، اور اعلیٰ حضرت نے جو ان کی تکفیر کی تھی علمائے عرب و عجم (جن کی تعداد چار سو سے متجاوز ہے ان سب) نے اس کی تصدیق کی اور صاف لکھ دیا کہ اب جو ان کے کفر میں شک کرے۔ یا ان عبارات کو بنظر استحسان دیکھے سب کافر و مرتد ہیں چہ جائے کہ ان کو دینی پیشوا ماننا۔ حسام الحرمین، الصوارم الہندیہ سے خصوصًا، اور علمائے اہل سنت کی بے شمار کتابوں سے عمومًا ان فتاویٰ کی واقعیت و صداقت ظاہر و باہر ہے، اور یہ سب تواترًا منقول، اور ان تفصیلات کو معلوم کر لینا سہل الحصول۔ لہٰذا اب سواد اعظم اہل سنت کا ان کی تکفیر پر اجماع ہے جو خود ایک دلیل شرعی ہے۔ یہاں کوئی سطحی علم کا حامل اجماع امت نہ سمجھ بیٹھے کہ دونوں میں واضح فرق ہے۔ اب جن جن لوگوں کو اس پر اطلاع ہوتی جائے گی ان کو سوائے تسلیم کوئی چارہ نہیں۔

یہاں متقدمین علمائے کرام کے درمیان بعض فرقوں اور بعض شخصیات کی تکفیر میں اختلاف کی روداد بیان کرنا بے معنی ہے، دیابنہ کے اقانیم اربعہ کی تکفیر سے ان کا کوئی علاقہ نہیں۔ زمانہ قدیم کے فتاوائے تکفیر اختلافی تھے اور محض اختلافی ہی رہے، ان کا پس منظر نہ ضروریات دین کا انکار تھا اور نہ پیش منظر سواد اعظم کا اجماع۔

اب قارئین سیدی و استاذی شیخ الاساتذہ بحر العلوم حضرت علامہ مفتی عبد المنان صاحب اعظمی علیہ الرحمہ کا یہ مقالہ پڑھیں جس سے واضح ہو جائے گا کہ اصول تکفیر کیا ہیں۔ اور پھر ان کا انطباق کر کے دیکھ لیں کہ تکفیر کے بارے میں علمائے اسلام کی کیا تصریحات ہیں۔ اور ان چاروں پر کس طرح کے کفر کا فتویٰ ہے۔

راقم الحروف: **محمد حنیف خاں رضوی بریلوی**

امام احمد رضا اکیڈمی، بریلی شریف

تکفیر کی بحث

از: بحرالعلوم **مفتی عبدالمنان** رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ضروریاتِ دین، مسئلہ اجماعیہ اور قطعیہ کا انکار، اور ایسے فعل کا ارتکاب جس کو حتمًا علامتِ کفر قرار دیا گیا ہے، یہ سب کفر ہیں۔

پہلے اور دوسرے مسئلے سے متعلق شرح مواقف میں ہے:

لا یکفر أهل القبلة إلا بما فيه ... إنكار ما علم مجيئه من الدين بالضرورة والمجمع عليه كاستحلال المحرمات التي أجمع على حرمتها فإن كان ذلك المجمع عليه ما علم ضرورة من الدين. فذاك ظاهر.

(شرح مواقف، ۷۶۲)

اہل قبلہ کی تکفیر اس وقت کی جائے گی جب وہ کسی مسئلہ دینیہ ضروریہ کا انکار کرے یا اجماعی مسئلہ کا انکار کرے جیسے ان محرمات کو حلال قرار دے جن کے حرام ہونے پر اجماع ہے اور وہ ضروریات دین میں داخل ہے۔ یہ بات ظاہر ظہور ہے۔

تیسرے مسئلے کے بارے میں علامہ فضل رسول بدایونی قدس سرہ فرماتے ہیں:

الحنفية ... لم يشترطوا في الإكفار سوى القطع فی الثبوت، لا بلوغ حد الضرورة ويجب حمله على ما إذا علم المنكر ثبوته قطعًا لأن مناط التكفير هو التكذيب أو الاستخفاف بالدين إنما يكون عند ذلك، أما إذا لم يعلم فلا.

(المعتقد ص:۳۱۳)

حنفیہ نے تکفیر کے لیے کسی قطعی الثبوت مسئلہ دینیہ کا انکار کافی سمجھا ہے۔ان کے نزدیک مسئلہ کا ثبوت حد ضرورت تک پہنچنا شرط نہیں ۔مگر اس کو اس بات پر محمول کرنا ضروری ہے کہ تکفیر کا یہ حکم اس وقت ہے جب منکر کو اس مسئلہ کے قطعی ہونے کا علم ہو؛کیوں کہ مناط تکفیر تکذیب یا دین کا استخفاف ہے اور یہ علم ہونے سے ہی متحقق ہو گا،علم نہ ہو تو متحقق نہیں ہو گا۔

علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی اسی کی تائید فرمائی ہے۔

ظاهر كلامه تخصيص الكفر بجحد الضروري فقط مع أن الشرط عندنا ثبوته على وجه القطع وإن لم يكن ضروريا.

(شامی،سوم،ص:۲۸۴)

شارح کے کلام کا ظاہر تو یہی ہے کہ وہ صرف ضروری دینی مسئلہ کے انکار کو کفر قرار دیتے ہیں ۔حالاں کہ احناف کے نزدیک تکفیر کے لیے مسئلہ کا قطعی الثبوت ہونا کافی ہے۔

چوتھے مسئلہ کے بارے میں علامہ فضل رسول برکاتی فرماتے ہیں:

أما ما ضم غيره مما هو شرط جزما إلى التصديق بالقلب، ... فأمور الإخلال بها إخلال بالإيمان اتفاقًا كترك السجود للصنم.

(المعتقد،ص:۱۹۵)

اس کے علاوہ کچھ افعال بھی تصدیق بالقلب کی یقینی شرط کے طور پر ایمان میں شامل ہیں تو ایسے افعال میں خلل واقع ہونا ایمان میں خلل کا سبب ہوگا:جیسے مومن کے لیے بُت کو سجدہ نہ کرنا ضروری ہے۔تو بُت کے سجدے سے آدمی کافر ہو جائے گا۔

(۱) مذکورہ بالامفاہیم میں مسئلہ دینیہ ضروریہ ان مسائل شرعیہ کوکہاجاتا ہے جواپنے ثبوت کے لیے دلیل کے محتاج نہ ہوں، جن کامسئلہ دینی ہونا خواص اوران سے ربط رکھنے والے عوام بھی جانتے ہوں۔

المعتقدالمنتقد، ص:۱۹۴پرہے:

ما علم بالضرورة أنه من دين محمد صلى الله تعالىٰ عليه وسلم بحيث يعلمه الخاصة والعامة من غير افتقار إلى نظر واستدلال.

ضروریات دین کامطلب یہ ہے کہ ان کادینی ہوناخواص وعوام نظرواستدلال کے بغیرجانیں۔

ایسے مسائل کے منکرکی تکفیرپرمحققین احناف وشوافع سب کااتفاق ہے۔

(۲) غیرضروری قطعی الثبوت وہ مسائل شرعیہ ہیں، جن کاثبوت دلائل وبراہین کے ذریعہ درجہ یقین کوپہنچاہو۔فقہائے احناف کے نزدیک اس کامنکربھی کافرہے۔جب کہ محققین ایسے منکرین کی تکفیرنہیں کرتے۔

(۳) جس مسئلہ دینی پرسارے مجتہدین امت اتفاق کریں، وہ مسئلہ اجماعی ہے، ان کے انکارپربھی فقہائے احناف کفرکافتوی دیتے ہیں جب کہ محققین کواس سے اختلاف ہے۔

تحقيق المقام أن أكثر الحنفية يكفرون بإنكار كل مقطوع وكما هو المصرح في رد المحتار وغيره. وهم ومن واقفهم قائلون بإنكار كل مجمع عليه بعد ما كان الإجماع قطعيًا نقلًا ودلالةً، ولا حاجة إلى وجودالنص. والمحققون لا يكفرون إلا بانكار ما علم من الدين ضرورة بحيث يشترك في معرفة الخاص والعام المخالطون للخواص، فإذا كان المجمع عليه هٰكذا كفر منكره، وإلا لا. (حاشیۃ المعتقد، ص:۱۹۵)

تحقیق یہ ہے کہ اکثر علماے احناف ہر قطعی دینی مسئلہ کے انکار کو کفر قرار دیتے ہیں اور اسی طرح اجماعی مسئلہ کے انکار کو بھی کفر قرار دیتے ہیں بشرطے کہ اجماع قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت ہو۔ لیکن محققین صرف ضروری دینی مسئلہ کے انکار کو کفر قرار دیتے ہیں جسے خواص اور ان سے ربط رکھنے والے عوام بھی جانتے ہوں تو جو اجماعی مسئلہ ایسا ہو، اس کا منکر بھی کافر ہوگا۔ اور ایسا نہ ہو تو کافر نہیں ہوگا۔

(۴) جو افعال حتماً علامتِ کفر قرار دیے گئے ہیں، ان پر تکفیر کا حکم اتفاقی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ ان امور اربعہ میں سے دو، یعنی اول و آخر کی تکفیر اجماعی ہے اور دو درمیانی مسائل پر تکفیر میں محققین اور فقہا میں اختلاف ہے۔

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں صاحب نے ان اختلافی امور میں بھی اپنی ژرف نگاہی سے اتفاق پیدا کرنے کی سبیل نکالی ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

الإيمان هو لمعان نور، وكشف ستر، وشرح صدر، يقذفه الله في قلب من يشاء من عباده سواء كان ذلك بنظر أو بمجرد سماع، ولا يسوغ لعاقل أن يقول: لا يحصل الإيمان إلا بالنظر والاستدلال.

ایمان اصل میں اس کیفیت انجلائیہ، انکشاف صدر اور بشاشتِ قلب کا نام ہے جسے اللہ تعالیٰ ہر مومن قانت کے دل میں نازل فرماتا ہے۔ تو یہ عین ممکن بلکہ واقعہ ہے کہ ایک ہی مسئلہ میں ایک دانش ور کو ہزار کاوش اور دلائل کی تگ و دو کے بعد انشراح قلب حاصل ہوا ہو جب کہ اسی مسئلہ میں ایک جاہل آدمی کو من جانب اللہ نور بصیرت اور اطمینانِ قلب حاصل ہو تو یہ دونوں ہی اس مسئلہ میں ایمان کی بدیہی کیفیت کا ادراک کر رہے ہیں۔ ایک استدلال کے واسطہ سے اور ایک بلا واسطہ القاے ربانی سے۔

روایت ہے کہ امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ایک دن ایک گنوار بڑھیا سے پوچھا کہ تجھے اس بات کا یقین ہے ؟ کہ اللہ ایک ہے۔ اس نے کہا: جی ہاں ! کیا یہ بھی کوئی شبہ

کی بات ہے ؟آپ نے فرمایا: یہ مطلب نہیں ہے، میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ تجھے اس بات کا یقین کیسے ہوا؟ میں تو عالم ہوں ہزار دلیل جانتا ہوں، تو نری جاہل، تو نے کیسے جانا؟ اس نے حیرت سے امام کو دیکھ کر کہا: حضرت !یہ آپ کو آج کیا ہو گیا ہے ؟اس بات کے یقین کے لیے بھی دلیل کی ضرورت ہے ؟میں تو دلیل کے بغیر بھی خدا کے ایک ہونے پر یقین رکھتی ہوں۔

امام صاحب فرماتے ہیں :مجھے اپنے مقابلے میں اس بڑھیا کے ایمان پر رشک ہوا۔ گویا

خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں مرے مولا مجھے صاحب جنوں کر

پس ایمان چوں کہ کشف ستر اور شرح صدر کا نام ہے جو من جانب اللہ حاصل ہوتا ہے تو ایمان سماع اور فکر و نظر دونوں ہی ذرائع سے حاصل ہو سکتا ہے ۔تو قطعی الثبوت مسائل کا ایمان بھی کسی کو حاصل ہو گیا پھر بھی اس نے انکار کیا تو وہ بھی یقینا کافر ہو گا۔

اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ ’’المعتمد‘‘ کے ص:۲۱۲ پر یہی تصریح فرماتے ہیں:

أما إذا أقر بالثبوت ثم جحد فقد علم التكذيب ولا حاجة حينئذ للتوقف في الاكفار لحصول العلم بوجود المدار.

اور جب کوئی کسی دینی مسئلہ کے قطعی الثبوت ہونے کا اقرار کے بعد انکار کرے تو اب اس سے اسلام کی تکذیب پائی گئی ۔پس اس کی تکفیر میں توقف کی کوئی وجہ نہیں کہ تکفیر کے مدار کا حصول ہو گیا۔

الحاصل اجماعی اور قطعی الثبوت مسائل میں بہت سے ایسے ہیں کہ وہ ضروریات دین میں داخل ہیں۔ تو ایسے مسائل کا منکر بھی کافر ہو گا۔ اور بہت سے ایسے مسائل ہوں گے جہاں فقہا اور محققین کا یہ اختلاف باقی رہے گا۔ تو ایسے امور میں محققین کی ہی اتباع کرنی چاہئے ،اور تکفیر کا حکم نہ دینا چاہیے ۔مگر جو تکفیر کا حکم دے اس پر بھی الزام نہیں کہ تکفیر کی بھی ایک وجہ ہے۔

محققین اور فقہا کا یہ اختلاف نفس مسائل میں اختلاف کی وجہ سے ہے کہ کس قسم کے مسائل کا انکار کس کے نزدیک کفر ہے اور کس کے نزدیک کفر نہیں۔ اس قسم کا ایک اور اختلاف بھی فقہا اور محققین میں ہے جس کو کفر فقہی اور کلامی سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور اس کی تعبیر کفر لزومی اور التزامی کے ساتھ بھی کی جاتی ہے۔ یہ اختلاف انکار کی نوعیت کے امتیاز سے پیدا ہوا ہے کہ انکار کس نوعیت کا ہے۔ فقہا ایسے لوگوں کو کافر کہیں گے اور محققین کے نزدیک وہ کافر نہ ہوں گے۔ ایسے لوگوں پر حکم لگانے میں احتیاط کا تقاضہ یہ ہے کہ محققین کی ہی اتباع کی جائے۔ مگر الزام فقہا پر بھی نہیں کہ انہوں نے حکم لگانے میں خطا کی۔ بلکہ محققین اور ان کے متبعین بھی صرف تکفیر میں احتیاط کرتے ہیں، تفسیق و تضلیل اور گمراہی کا حکم یہ حضرات بھی دیتے ہیں۔

فقہا اور محققین میں اس نوع کا ایک اختلاف اور بھی ہے جس کی تعبیر کفر فقہی اور کفر کلامی اور کفر لزومی اور التزامی سے کی جاتی ہے۔

حضرت مولانا احمد رضا خاں صاحب رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے واضح مثالوں سے اس کی توضیح یوں فرمائی۔

لزومی والتزامی:

پھر یہ انکار جس سے خدا مجھے اور سب مسلمانوں کو پناہ دے دو طرح ہوتا ہے لزومی والتزامی۔ التزامی یہ کہ ضروریات دین میں سے کسی شے کا تصریحًا خلاف کرے ۔۔۔ کفر التزامی کے یہی معنی نہیں کہ صاف صاف اپنے کافر ہونے کا اقرار کرتا ہو جیسا کہ بعض جہال سمجھتے ہیں ۔۔۔ بلکہ اس کے یہ معنی ہیں کہ جس بات کا اس نے دعوی کیا وہ بعینہ کفر اور مخالف ضروریات دین ہے۔ جیسا کہ طائفہ تالفہ نیاچرہ کا وجود ملک وجن وشیطان وآسمان ونار وجنان ومعجزات انبیا علیہم السلام سے ان معانی پر کہ اہل اسلام کے نزدیک حضور ہادی برحق

صلوات اللہ تعالیٰ وسلامہ علیہ سے متواتر ہیں انکار کرنا اور اپنی تاویلات باطلہ وتوہمات عاطلہ کو لے مرنا، نہ ہرگز ہرگز ان تاویلوں کے شوشے کفر سے بچائیں گے، نہ محبت اسلام وہمدردی قوم کے جھوٹے دعوے کام آئیں گے۔ ﴿قٰتَلَهُمُ اللّٰهُ ۚ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ﴾۔

اور لزومی یہ کہ جوبات اس نے کہی عین کفر نہیں، مگر منجر بکفر ہوتی ہے، یعنی مآل سخن ولازم حکم کو ترتیب مقدمات وتتمیم تقریبات کرتے لے چلیے توانجام کار اس سے کسی ضروری دین کا انکار لازم آئے، جیسے: روافض کا خلافت حقہ راشدہ خلیفۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جناب صدیق وفاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے انکار کرنا تضلیل جمیع صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی طرف موڈی اور وہ قطعاً کفر، مگر انہوں نے صراحۃً اس لازم کا اقرار نہ کیا تھا بلکہ اس سے صاف تحاشی کرتے اور بعض صحابہ یعنی حضرات اہل بیت عظام وغیرہم چند اکابر مولیٰ علی مولاہم وعلیہم الصلاۃ والسلام کو زبانی دعوؤں سے اپنا پیشوا بتاتے اور خلافت صدیقی وفاروقی پر ان کے توافق باطنی سے انکار رکھتے ہیں۔ اس قسم کے کفر میں علماے اہل سنت مختلف ہوگئے، جنھوں نے مآل مقال ولازم سخن پر نظر کی، حکم کفر فرمایا اور تحقیق یہ کہ یہ کفر نہیں بدعت وبدمذہبی وضلالت وگمرہی ہے۔ (فتاوی رضویہ، ج:۱۵، ص:۴۳۱)

حضرت امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ''شفا'' شریف میں اسی امر کی طرف ان الفاظ میں رہنمائی فرمائی ہے:

فمن قال بالمآل لما يؤديه إليه قوله ويسوقه إليه مذهبه كَفَّره ... فكأنهم صرحوا عنده بما أدى إليه قولهم ... ومن لم ير أخذهم بمآل قولهم ولا ألزمهم موجب.

مذهبهم لم ير اكفارهم، قال:لأنهم إذا وقفوا على هٰذا، قال: لانقول بالمآل الذي ألزمتموه لنا على ما أصّلناه. فعلى هذين المأ خذين اختلف الناس فی اكفار أهل التأويل ... والصواب ترك اكفارهم.

(شفا، ج:۳۔ ص:۲۹۴ دارالفکر)

اسی امر کی طرف علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے اشارہ فرمایا:

ومیل کلام ابن الرفعة الی عدم التکفیر وهوکذلك وان لزم علی هذاالاعتقاد نقص؛ لأن لازم المذهب غیرمذهب.

(الإعلام بقواطع الإسلام ،ص ۸۰)

لزومی صورتوں میں ابن رفعہ کے کلام کامیلان عدم تکفیر کی جانب ہے اور ہے بھی ایسا ہی اگرچہ اس طرح کے اعتقاد پر نقص لازم آتا ہے ؛کیوں کہ لازم مذہب مذہب نہیں ہوتا۔

مسئلہ تکفیر:

لیکن ہم یہاں مناسب سمجھتے ہیں کہ ہندوستان میں گمراہی اور گمراہیوں کی داستان اوراس کے دفاع میں اعلی حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی جدوجہد کی تفصیل بیان کرنے سے پہلے مسئلہ تکفیر کی بقدر ضرورت تشریح کریں تاکہ اسی کی روشنی میں ہندوستان میں مختلف دینی برگشتگیوں کا جائزہ لیا جاسکے جس سے فاضل بریلوی رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی قلمی جدوجہد اور دفاعی جہاد کی حقیقی اہمیت کا اندازہ ہو۔

کفرکیاہے:

جاننا چاہیے کہ کفر کے سلسلہ میں فقہاو متکلّمین کے اختلاف کی تین جہتیں ہیں:

(۱)مادی اور عنصری اختلاف یعنی اسلام کے وہ کون سے کلیدی مسائل ہیں جن کاانکارکفر ہے۔

(۲) مسائل کا براہ راست انکار ہی کفر ہے یا بالواسطہ انکار بھی کفر ہے۔

(۳)صرف وہی انکار کفر ہے جو بالکل صریح اور قطعًا ناقابل تاویل ہے ،یا وہ بھی جس میں تاویل ہوسکتی ہے ـــــ اور بر تقدیر قبول تاویل کس قسم کے قول میں کون سی تاویل قابل قبول ہے ؟اور کس میں کون سی تاویل غیر مقبول۔

پہلی جہت کے تحت متکلّمین صرف ایسے مسائل کے انکار کو کفر قرار دیتے ہیں جو ضروریات دین سے ہوں ،اور ایسے اعمال کا ارتکاب جو شعار کفر قرار دیے گئے ہوں ،جیسے:بتوں کو سجدہ کرنا،ان پر چڑھاوا چڑھانا وغیرہ۔

اور فقہا کے نزدیک مسائل دینیہ ضروریہ، مسائل اجماعیہ،یا مسائل قطعی الثبوت، سب کا انکار۔

حوالہ نمبر ا:

لایکفر أهل القبلة إلا بمافيه إنكار ماعلم مجيئه بالضرورة والمجمع عليه كاستحلال المحرمات التى أجمع على حرمتها فإن كان ذلك المجمع عليه ماعلم ضرورة من الدين فذاك ظاهر.

(شرح مواقف،۷۶۲)

حوالہ نمبر ۲:

ظاهر كلامه تخصيص الكفر بحدالضرورى فقط مع أن الشرط ثبوته عندنا على وجه القطع وان لم يكن ضرورياً.

(شامی،ج:۳،ص:۲۸۴ مکتبہ نعمانیہ)

حوالہ نمبر ۳:

الحنفية ... لم يشترطوا فى الإكفار سوى القطع فى الثبوت ،لابلوغ حدالضرورة ويجب حمله على ما إذا علم المنكر ثبوطه قطعاً لأن مناط التكفير وهو التكذيب أو الاستخفاف بالدين إنما يكون عند ذلك أما إذا لم يعلم فلا).

(المعتقد ص:۳۱۳)

حوالہ نمبر ۴:

أما ماضُم غيره مما هو شرط جزماً إلى التصديق بالقلب، ...

فأمور الإخلال بها إخلال بالایمان اتفاقاً کترك السجود للصنم.

(المعتقد، ص:۱۹۵)

ان چاروں عبارتوں کا خلاصہ یہ ہواکہ تکفیر میں یہ چاروں امور ہی موثّر ہیں۔ حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے ان کی وضاحت فرمائی۔

تحقیق المقام أن أکثر الحنفیة یکفرون بإنکار کل مقطوع کما هوالمصرح فی ردالمحتار وغیره. وهم ومن واقفهم قائلون بإنکار کل مجمع علیه بعد ما کان الاجماع قطعیاً نقلاً ودلالةً، ولاحاجة إلی وجودالنص. والمحققون لایکفرون إلا بإنکار ما علم من الدین ضرورة بحیث یشترك فی معرفته الخاص والعام المخالطون للخواص، فإذا کان المجمع علیه هکذا کفر منکره، وإلا لا.

(حاشیۃ المعتقد، ص:۱۹۵)

تحقیق یہ ہے کہ اکثر علمائے احناف ہر قطعی دینی مسئلہ کے انکار کو کفر قرار دیتے ہیں جو دلائل قطعیہ سے ثابت ہوں اور حنفیہ اور ان کے موافقین مسئلہ اجماعیہ قطعیۃ الثبوت اور قطعیۃ الدلالت کے انکار پر بھی حکم کفر صادر کرتے ہیں اور محققین صرف مسائل دینیہ ضروریہ کے انکار پر۔ ہاں !کوئی اجماعی مسئلہ ضروری ہوجائے تو اس کے انکار پر بھی ،ورنہ نہیں۔

اور کفر حتمی کے شعار کا ارتکاب دونوں کے نزدیک کفر ہے۔

فی المواقف وشرحها:من صدق بماجاء به النبی صلی الله تعالی علیه وسلم ومع ذلك سجد للشمس کان غیرمؤمن بالاجماع.

(الإعلام بقواطع الإسلام ،ص:٣٤٨)

ضروریات دین ایسے مسائل کو کہا جاتا ہے جو اپنے ثبوت کے لیے نظر وفکر کے محتاج نہ ہوں، اور خواص اور ان سے ربط رکھنے والے عوام کے نزدیک نظر وفکر کے بغیر معلوم ہوں۔

علامہ فضل رسول علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:

ماعلم بالضرورة أنه من الدين بحيث يعلمه الخاصة والعامة من غير افتقار إلى نظر واستدلال .

تو اس پوری بحث کا خلاصہ یہ ہوا کہ ضروریات دین کا انکار اور شعار کفر کا ارتکاب، جمیع اہل اسلام کے نزدیک بالاتفاق و بالاجماع کفر ہے، اس میں کسی کا خلاف نہیں۔ اور مسائل قطعی الثبوت اور مسائل اجماعیہ کے انکار پر تکفیر اکثر احناف کا مسلک ہے۔ مگر محققین ان کے انکار پر تکفیر نہیں کرتے۔ ہاں! کوئی اجماعی یا قطعی الثبوت مسئلہ بھی ضروریات دین میں داخل ہو جائے تو ان پر بھی تکفیر کی جائے گی۔ ضروریات دین ہونے کی وجہ سے، اجماعی یا قطعی الثبوت ہونے کی وجہ سے نہیں۔

اب ہم ضروریات دین کی مثال پیش کرتے ہیں:

(۱):

غیب کی باتوں کا جیسا علم جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو ہے ایسا ہر بچے اور ہر پاگل اور ہر جانور اور ہر چوپائے کو حاصل ہے۔ آپ نے "حفظ الایمان" یا کسی کتاب میں ایسی تصریح کی ہے۔ محمد مرتضی حسن عفی عنہ

الجواب:

جو ایسا اعتقاد رکھے یا بلا اعتقاد صراحۃً یا اشارۃً یہ بات کہے، میں اس شخص کو خارج از اسلام سمجھتا ہوں؛ کہ وہ تکذیب کرتا ہے نصوص صریحہ کی اور تنقیص کرتا ہے حضور سرور عالم فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ کتبہ اشرف علی۔ (بسط البنان، ص:۲،۱)

(۲):

اور ہمارا یقین ہے کہ جو شخص یہ کہے کہ فلاں شخص نبی کریم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے اعلم ہے، وہ کافر ہے۔ ہمارے حضرات اس شخص کے کافر ہونے کا فتوی دے چکے ہیں۔

جو یوں کہے کہ شیطان ملعون کا علم نبی علیہ السلام سے زیادہ ہے۔

(المہند، ص:۲۶،۲۵)

اور جو شخص یہ کہے کہ فلاں کا علم نبی علیہ السلام سے زیادہ ہے، وہ کافر ہے۔ چناں چہ اس کی تصریح ایک نہیں، بہت سے علما کر چکے ہیں۔

مذکورہ مثالوں میں پہلی (مثال) کو مولوی اشرفعلی صاحب تھانوی نے حضور صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی تنقیص اور نصوص قطعیہ کی تکذیب قرار دیا ______ نصوص قطعیہ قرآن شریف کی محکم و مفسر آیتیں اور محکم و مفسر احادیث متواترہ ہیں ، علم کے بعدن کا انکار ضروریات دین کا انکار ہے۔ اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تنقیص کو صاحب "شفا" قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالی علیہ نے ایسا کفر قرار دیا ہے جس میں شبہہ کرنے والا بھی کافر ہے۔ فرماتے ہیں:

أجمع العلماء أن شاتم النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم المتنقص له کافر والوعید جار علیه بعذاب اللہ وحکمه عند الأمة القتل، ومن شك فی کفره وعذابه فقد کفر. (شفا، ج:ا ص:۳۹۴)

اور دوسری مثال میں مولوی خلیل احمد انبیٹھوی کہتے ہیں کہ شیطان ملعون کا علم نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کہنے والے کو ہمارے حضرات کافر ہونے فتوی دے چکے ہیں۔ جب کہ وہ اسی المہند میں لکھتے ہیں:

ہم تو بدعتیوں کو بھی جو اہل قبلہ ہیں جب تک دین کے کسی ضروری حکم کا انکار نہ کریں کافر نہیں کہتے۔ ہاں! جس وقت دین کے کسی ضروری مسئلہ کا انکار ثابت ہو گا، تو کافر سمجھیں گے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ان کے نزدیک بھی شیطان کو رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم سے زیادہ علم ماننا ضروریات دین کا انکار ہے۔

(۳):

ہمارا اور ہمارے مشائخ کا عقیدہ ہے کہ ہمارے سردار آقا پیارے شفیع محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ اور یہی ثابت ہے بکثرت حدیثوں سے جو معنیً حد تواتر کو پہنچ گئی ہیں۔ اور نیز اجماع امت سے سو حاشا کہ ہم میں سے کوئی اس کے خلاف کہے؛ کیوں کہ جو اس کا منکر ہے وہ ہمارے نزدیک کافر ہے؛ اس لیے کہ منکر نص صریح قطعی کا ہے۔ (المہند، ص:۲۱)

(۴):

ہم اور ہمارے مشائخ اس کا یقین رکھتے ہیں کہ جو کلام بھی حق تعالی سے صادر ہوا یا آئندہ ہو گا وہ یقیناً سچا ہے اور بلا شبہہ واقع کے مطابق ہے۔ اس کے کلام میں کذب کا شائبہ نہیں اور خلاف کا واہمہ بھی نہیں، بالکل نہیں۔ اور جو اس کے خلاف عقیدہ رکھے یا اس کے کلام میں کذب کا وہم بھی کرے وہ کافر ملحد زندیق ہے۔ (المہند، ص ۳۸)

یہ چار مثالیں ایسے مسائل کی ہیں، جن کا عقیدہ رکھنا یا ایسی بات کہنا ضروریات دین کا انکار ہے، جو تمام علما کے نزدیک کفر قطعی یقینی ہے۔ حد یہ ہے کہ علمائے دیو بند جن پر اس قسم کے اقوال کا الزام ہے، وہ بھی بے ضغطہ زبان ان اقوال کو کفر اور ان کے قائل کو مرتد کہتے ہیں۔

مسئلہ اجماعی کی مثال:

لم يبلغ حد الضرورة كاستحقاق بنت الابن السدس مع البنت بإجماع المسلمين، فظاهر كلام الحنفية الإكفار بجحده فإنهم لم يشرطوا سوى القطع في الثبوت. (شامی، جلد سوم، ص:۴۸۲)

لیکن جو دینی مسئلہ ضرورت کی حد تک نہیں پہنچا، جیسے پوتی کی، لڑکی کے ساتھ وراثت کی مستحق ہونے کی بات جو اجماع اہل اسلام سے ثابت ہے، تو حنفیہ کا ظاہر کلام یہی ہے کہ اس کے انکار پر بھی تکفیر کی جائے گی۔ اس لیے کہ انھوں نے مسئلہ تکفیر میں صرف مسئلہ قطعی الثبوت کے انکار کی شرط لگائی ہے۔

مسئلہ قطعی الثبوت کی مثال:

والأصل أن من اعتقد الحرام حلالًا فإن كان دليله قطعيًا كفر.

(شامی ایضًا)

اور جس نے حرام کے حلال ہونے کا عقیدہ رکھا تو اگر حرمت کی دلیل قطعی ہے تو اسے حلال کہنے والا کافر ہے۔

تو مسئلہ تکفیر میں فقہا و محققین کا پہلا کلیدی و عنصری اختلاف یہی ہوا کہ محققین کے نزدیک مسئلہ کا ضروریات دین میں سے ہونا ضروری ہے اور بس، جس پر تکفیر لازم ہوگی۔ اور فقہا صرف اجماعی یا قطعی الثبوت ہونے پر اکتفا کرتے ہیں۔ تو ضروریات دین کا انکار کے کفر ہونے میں فقہا اور محققین دونوں متفق ہیں ـــــ اور اجماعی و قطعی کے انکار پر صرف فقہا تکفیر کرتے ہیں، محققین کو اس سے اختلاف ہے۔ ہاں! کوئی اجماعی یا قطعی الثبوت مسئلہ ضروریات دین کی حد میں داخل ہو جائے تو اس پر محققین بھی تکفیر کرتے ہیں۔ مگر مسئلہ کے اجماعی اور قطعی الثبوت ہونے کی وجہ سے نہیں، بلکہ ضروری اور دینی ہونے کی وجہ سے۔

علامہ ابن حجر ہیتمی، امام نووی کی ''روضہ'' کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

أن الصواب تقييده بما إذا جحد مجمعًا عليه يعلم من دين الإسلام

ضرورة. (الإعلام بقواطع الإسلام، ص: ۹۵)

درست بات یہ ہے کہ اجماعی مسئلہ کے ساتھ یہ قید لگائی جائے کہ وہ مسئلہ ضروریات دین سے ہو تو انکار پر تکفیر ہوگی۔

فقہا و متکلمین کے اختلاف کی دوسری جہت:

اوپر ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اس اختلاف کا منشا براہ راست انکار اور بالواسطہ انکار ہے۔اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی امام احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اس کو بڑی وضاحت سے بیان فرمایا ہے، آپ لکھتے ہیں:

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ سید العالمین محمد رسول اللہ ﷺ جو کچھ اپنے رب کے پاس سے لائے۔ ان سب میں ان کی تصدیق کرنا۔ اور سچے دل سے ان کی ایک ایک بات پر یقین لانا ایمان ہے۔ اور معاذ اللہ ان میں سے کسی بات کا جھٹلانا اور اس میں ادنی شک لانا کفر ہے۔ پھر یہ انکار جس سے خدا مجھے اور سب مسلمانوں کو پناہ دے دو طرح ہوتا ہے، لزومی اور التزامی۔ تفصیل ابھی گزری۔

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے بھی "شفا" شریف میں یہی فرمایا:

فمن قال بالمآل لما يؤديه إليه قوله و يسوقه إليه مذهبه... فكأنهم صرحوا عنده بما أدى إليه قوله... و من لم ير أخذهم بمآل قولهم ولا ألزمهم موجب مذهبهم لم ير إكفارهم . قال: لأنهم إذا وقفوا على هذا ،قالوا: لا نقول بالمآل الذى ألزمتوه لنا و نعتقد نحن و أنتم أنه كف، بل نقول: إن قولنا لا يؤول إليه على ما أصلناه. فعلى هذين المأخذين اختلف الناس فى إكفار أهل التأويل. والصواب ترك إكفارهم، ملخصاً. (شفا، جلد دوم، ص:۲۳۵،۲۳۵)

جس نے مآل قول کا لحاظ کیا جو اس کے قول کا مفاد اور اس کے مذہب کا نتیجہ ہے تو اس کے نزدیک انھوں نے گویا اسی لازم کی تصریح کی، اس لیے کفر کہہ دیا، اور جس نے مآل قول کا لحاظ نہ کیا اور موجب مذہب کا الزام نہ دیا، اس نے ان کی تکفیر نہیں کی؛ کیوں کہ جب انھیں اس پر اطلاع دی گئی تو ان لوگوں نے کہا کہ ہم اس کے قائل ہی نہیں ہیں جس کا تم نے ہم کو الزام دیا ہے۔ (یعنی تمام صحابہ کی تضلیل وتکفیر مثلاً) اس کو تو ہم اور تم دونوں کفر مانتے ہیں اور ہمارے مذہب کے اصول پر یہ لازم بھی نہیں آتا۔ (کیوں کہ حضرت علی وغیرہ چند صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کو ہم عام صحابہ کے ساتھ نہیں مانتے اور ان کی بیعت کو بھی ہم دلی اطاعت تسلیم نہیں کرتے) پس نکتہ نظر کے اسی فرق کی وجہ سے مسلمانوں میں ایسے گمراہوں کی تکفیر میں اختلاف ہو گیا۔ اور صحیح یہ ہے کہ ان کی تکفیر نہ کی جائے۔

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ امر واضح ہو گیا کہ پہلے اختلاف کی طرح یہ دوسرا اختلاف بھی فقہا اور محققین کے درمیان ہی ہے اور محققین میں چوں کہ بڑی تعداد متکلمین کی ہے اس لیے یہاں بھی کفر کی اقسام کا نام کفر فقہی اور کفر کلامی ہوا۔ ہاں اس دوسرے اختلاف میں فرق چوں کہ لزوم والتزام کا ہے اس لیے اس کا دوسرا نام کفر لزومی اور التزامی بھی ہوا۔

ایک شبہہ کا ازالہ:

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں کچھ لوگوں کو التزام کے لفظ سے دھوکا ہوا۔ اور انھوں نے اس کے لغوی معنی مراد لیے کہ قائل اس بات کا اقرار کرے کہ میں نے وہ کفری قول کہا اور اس کے وہی معنی مراد لیے جو کفر ہیں، تو ایسے شخص کو کافر کہا جائے گا۔ اور اگر وہ اس کفری قول سے انکار کرے کہ میں نے ایسا نہیں کہا، میرا یہ عقیدہ نہیں، میں بھی ایسے عقیدہ والوں کو کافر سمجھتا ہوں۔ اس کے ساتھ ہی وہ مبحوثہ کفری جملہ بولے، لکھے، چھاپے۔ اور کسی کے پوچھنے پر یہ کہہ دے کہ میرے اس قول کا وہ مطلب نہیں جو تم لوگ لگا رہے ہو۔ اس کا

مطلب توصحیح اور ایمان کے موافق ہے تو قائل کے صرف اتنا کہہ دینے سے اس کی بات مان لی جائے گی اور اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

جب کہ مذکورہ بالا وضاحت کی روشنی میں صاف ظاہر ہے کہ معنی التزام میں قائل کے اس اقرار کا کوئی دخل نہیں کہ میں نے اس قول سے کفری معنی ہی مراد لیے۔ کوئی قائل لاکھ انکار کرے لیکن اس کا کوئی قول ایسا ہے کہ جس کے معنی عین کفر ہیں تو اس پر کفر کا فتوی دینا فرض ہے۔

اس کے لیے دور جانے کی ضرورت نہیں، مولوی مرتضی حسن در بھنگی کی کتاب "اشد العذاب" کی چند سطریں دیکھ لینا کافی ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

ویسے تو مرزا صاحب اور تمام مرزائی الفاظ اسلام کے ہی بولتے ہیں۔ اسی وجہ سے مسلمان دھوکے میں آجاتے ہیں کہ یہ تو ختم نبوت کے بھی قائل ہیں۔ اور عیسی علیہ السلام کی تعظیم کے بھی قائل ہیں۔ قرآن کو بھی مانتے ہیں۔ حشر اجساد کے بھی قائل ہیں۔ غرض تمام آمنت باللہ اور ایمان مجمل و مفصل از بر ہے، یہ مسلمان کیوں نہ ہوں گے؟ مگر مسلمانو! یہ ان کے الفاظ ہیں لیکن معنی وہ نہیں ہیں جو قرآن و حدیث نے بتائے ہیں۔ معنی ان کے وہ ہیں جو مرزا صاحب نے تصنیف کر کے کفر کی بنیاد ڈالی ہے۔ لہذا جو عبارات مرزا صاحب اور مرزائیوں کی لکھی جاتی ہیں۔ جب تک ان مضامین سے صاف توبہ نہ دکھائیں، یا توبہ نہ کریں تو ان کا کچھ اعتبار نہیں۔ (اشد العذاب، ص:۹۱، فوٹو آفسیٹ، مطبع مینائی، دہلی)

نیز مولوی اشرفعلی صاحب کی عبارت اسی کتاب میں گزری کہ:

جو ایسا اعتقاد رکھے یا بلا اعتقاد صراحۃ واشارۃ یہ کہے میں اسے خارج از اسلام سمجھتا ہوں۔ (بسط البیان، ص:۱، ۲)

الغرض یہ خیال بالکل غلط ہے کہ جب تک قائل اپنے قول کے کفر ہونے کا خود اقرار نہ کرے اس وقت تک اس کے کفر کا فتویٰ دینا جائز نہیں۔

تیسری اختلافی جہت:

یہ بھی فقہی اور کلامی سے ہی موسوم ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

کلام محتمل جس میں اسلام وکفر دونوں ہی قسم کے معانی کا احتمال ہے، جیسے (اعلیٰ حضرت سے) سوال ہوا کہ:

"محمد رسول اللہ ﷺ کے دین کو نقلی کہنے والوں کو کیا سمجھنا چاہیے؟"

آپ نے جواب میں فرمایا:

اس قول میں لفظ نقلی کے دو معنی ہو سکتے ہیں:

(۱) یعنی اِس دین کے احکام رسول اللہ ﷺ سے منقول ہیں، فلاسفہ وغیرہ کے عقلی ڈھکوسلے نہیں ہیں۔ یہ معنی اسلامی ہیں۔

(۲) دوسرے معنی بناوٹی ہونے کے جو اصلی کا مقابل ہوتا ہے۔ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا واقعی اور اصلی دین نہیں (معاذ اللہ) بناوٹی اور نقلی ہے جس میں کسی کی نقل اتاری گئی ہے۔ یہ معنی کفری ہیں۔ (ملخص فتاوی رضویہ مترجم، ج:۱۴، ص ۶۱۳، مطبوعہ پوربندر)

ایسی صورت میں مفتی کو قائل کی مراد معلوم نہ ہو یا یہ معلوم ہو کہ اس نے دوسرا معنی کفری مراد نہیں لیا ہے۔ بلکہ اسلامی معنی مراد لیا ہے۔ تو فقہا ہوں یا متکلّمین دونوں ہی فریق اس کو کافر نہ کہیں گے، بلکہ مسلمان گردانیں گے۔ اب اگر واقعۃً قائل نے کفری معنی مراد لیے لیکن اس نے اس کا اظہار واقرار نہیں کیا۔ تو مفتی اس پر کفر کا فتویٰ نہیں دیگا۔ اور اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ کرے گا۔ لیکن! اگر قائل نے اقرار واظہار کیا کہ میں نے معنی کفری

ہی مراد لیے ہیں تو اب یہ کلام محتمل سے نکل کر مفسر اور صریح متعین ہو جائے گا۔ اور فقہا و متکلمین دونوں ہی اس کے کفر کا حکم لگائیں گے۔

حوالہ نمبر ۱:

بحر الرائق، ج۵، ص:۲۱۰ مکتبہ زکریا میں تاتارخانیہ کے حوالہ سے ہے:

فی التاتارخانیة: ولا یکفر بالمحتمل لأن الکفر نهایة فی العقوبة فیستدعی نهایة فی الجنایة ومع الاحتمال لا نهایة.

کلام محتمل پر تکفیر نہ کی جائے گی؛ کیوں کہ تکفیر سزا کی انتہائی ہے تو اس کے لیے جرم بھی انتہائی ہونا چاہیے۔ اور احتمال کے بعد جرم کا تحقق ہی محل غور ہے تو جرم کی انتہا کا کیا سوال۔

حوالہ نمبر ۲:

در مختار مع رد المحتار، ج:۳، ص:۲۸۹ مکتبہ نعمانیہ میں ہے:

اعلم أنه لا یفتی بکفر مسلم أمکن حمل کلامه علی محمل حسن... وإذا کان فی المسئلة وجوه توجب الکفر وواحدیمنعه فعلی المفتی المیل إلی ما یمنعه. ثم لو نیته ذلك فمسلم وإلا لم ینفعه حمل المفتی علی خلافه.

مسلمان کی بات کا جب تک کوئی اچھا معنی نکل سکے اس کی تکفیر جائز نہیں اور کلام کے اگر کئی معنی بنتے ہوں جو سب کفری ہوں، صرف ایک معنی اسلامی ہو تو مفتی کو اسی ایک معنی کا خیال کر کے اس کی تکفیر نہ کرنا چاہیے، پھر اگر قائل نے اسی اسلامی معنی کی نیت کی تھی تو وہ مسلمان ہے۔ اور کفری معنی مراد ہوں تو مفتی کا اس کو کافر نہ کہنا کچھ مفید نہ ہو گا، اللہ تعالی کے نزدیک وہ کافر ہی ہے۔

حوالہ نمبر ۳:

بحر الرائق، ج:۵، ص:۲۱۰ میں فتاوی بزازیہ کے حوالہ سے ہے:

وإذا صرح بإرادته من حیث الکفر فلا ینفعه التأویل.

اور قائل کفری معنی کی صراحت کردے تو اب کسی کی کوئی تاویل اسے فائدہ نہ دیگی۔

اسی پہلو سے متعلق کلام کا ایک دوسرا رخ بھی ہے۔ جس قول کے کفر ہونے نہ ہونے میں ائمہ علما کا اختلاف ہو۔ اس کے لیے بھی حکم یہی ہے کہ مفتی کو ایسے اختلافی قول میں تکفیر کا پہلو اختیار کر کے قائل کو کافر نہ کہنا چاہیے۔

مثال نمبر۱:

جامع الفصولین، ج:۲ص:۲۱۹، مطبع کبری میریہ، بولاق، مصر میں ہے:

قال: اے شکیبائے خدا۔ قیل یکفر، وقیل لا.

کسی نے کہا کہ اللہ تعالی کا صبر بھی خوب ہے۔ تو بعض نے کہا کفر ہے، اور بعض نے کہا نہیں۔

مثال نمبر۲:

اسی میں ہے:

قال لمریض أو أعمی: ”خدای ترا دید و مرا دید، ترا چناں آفرید، مرا چہ گناہ۔“ قال کفر؛ إذ ظن المیل بالرب. وقیل لا، وهو الأشبه.

مریض یا اندھے سے کہا اللہ تعالی نے تم کو بھی دیکھا اور مجھے بھی، تم کو ایسا بنا دیا۔ اس میں میرا کیا گناہ۔ تو کچھ لوگوں نے کہا کہ کفر ہوا کہ زیادتی کو اللہ تعالی کی طرف منسوب کیا۔ اور کچھ نے کہا کہ نہیں۔ یہی زیادہ صحیح ہے۔

مثال نمبر۳:

اور اسی میں ہے:

قال: ”بخدائے و بجان و سر تو“ اختلف فیه.

یہ قول بھی مختلف فیہ ہے کہ اللہ تعالی کی اور تیری جان و سر کی قسم۔

مثال نمبر۴:

پھر اسی میں ہے

قال له: خدارا و رسول رابر توگواه گردانیده ام، وأراد به تهديده، اختلف فيه.

کسی سے کہا کہ اللہ ورسول کو تم پر گواہ کیا۔ مقصد اس کی تنبیہ کرنی تھی تو اس کے کفر واسلام ہونے میں بھی اختلاف ہے۔

مثال نمبر۵:

اور اسی میں ہے:

وعلى قياس هذا يجب أن يكون في مسئلة قولها "تو سِرِّ خدا میدانی" اختلاف أيضاً.

اسی قیاس پر "تو اللہ تعالی کا بھید جانتا ہے" میں بھی اختلاف ہونا چاہیے۔

پہلی مثال میں مکفرین کی دلیل یہ ہے کہ صبر تو بندوں کی صفت ہے۔ جس کے معنی ظلم برداشت کرنا ہے تو اس کو خدا کے لیے ثابت کرنا کفر ہوگا ـــــــ اور جو کفر نہ ہونے کا حکم لگاتے ہیں ان کا کہنا یہ ہے کہ یہاں صبر کے مجازی معنی مراد ہیں یعنی انتقام میں تاخیر کرنا۔ یا اس سے درگزر کرنا۔ اور یہ بے شک اللہ تعالی کی صفت ہے، اس لیے کفر نہیں۔

دوسری مثال میں مکفرین کا کہنا یہ ہے کہ قائل نے قصور کی اپنے سے نفی کر کے اس کو خدائے تعالی کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور اللہ تعالی کو قصور وار کہنا کفر ہے ـــــــ اور غیر مکفرین کی دلیل یہ ہے کہ قائل نے ان افعال پر قصور ہونے کا اطلاق اپنے اعتبار سے کیا ہے۔ بنسبت اللہ تعالی کے یہ کوئی قصور نہیں۔ وہ سب کا خالق اور مالک ہے، جس کو جیسا چاہا بنا دیا۔ اس لیے یہ کفر نہیں اور کتاب میں اسی قول کو راجح کہا گیا ہے۔

تیسری مثال میں فریق اول کا یہ کہنا ہے کہ اس میں بندے کو خدا کے ساتھ قسم میں شریک کیا گیا ہے اور بندے کو خدا کے ساتھ شریک کرنا کفر و شرک ہے ــــــــ اور فریق دوم کا کہنا ہے کہ اللہ تعالی کی قسم کھانا تو عین ایمان ہے۔ البتہ غیر خدا کی قسم کھانا ناجائز وممنوع ہے۔ اسے شرک سے کیا تعلق، اس لیے کفر نہیں۔

چوتھی اور پانچویں مثال میں مکفرین کا کہنا یہ ہے کہ گواہ بنانے والے نے رسول اللہ ﷺ کی غیر موجودگی میں انھیں گواہ بنایا، جس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ کو غیب دان جانتا ہے۔ اسی طرح عورت نے اپنے شوہر کو خدا کا راز دان کہا۔ اور خدا کا راز غیب ہے جس کا علم ذاتی اللہ تعالی کا خاصہ ہے، جسے غیر خدا کے لیے ثابت کرنا کفر ہے۔ ــــــــ جب کہ کافر نہ کہنے والوں کی دلیل یہ ہے کہ مطلقاً غیب اللہ تعالی کا خاصہ نہیں ہے۔ اللہ تعالی کا خاصہ تو علم غیب ذاتی ہے۔ اللہ تعالی کے بتانے سے تو دوسرے کو علم غیب ہو سکتا ہے۔ اس لیے رسول اللہ ﷺ کو غیب دان کہنے والے کی تکفیر نہیں کی جا سکتی۔

پس مندرجہ بالا اصول کے مطابق فقہائے محتاطین بھی متکلّمین ہی کی طرح مذکورہ مسائل اور ان کے مثل اور بہت سارے مسائل میں تکفیر نہیں کرتے، چناں چہ علامہ زین ابن نجیم مصری فرماتے ہیں:

والذی تحرر أنه لا یفتی بتکفیر مسلم أمکن حمل کلامه علی محمل حسن أو کان فی کفره اختلاف ولو روایة ضعیفة ،فعلی هذافأکثر ألفاظ التکفیر المذکورة لا یفتی بالتکفیر بها.

(بحر الرائق، جلد پنجم، ص:۲۱۰ مکتبہ زکریا)

ثابت شدہ بات تو یہی ہے کہ مسلمان کے کلام میں کوئی پہلو بھی صحیح ہو یا کلام کے کفر ہونے میں اختلاف ہو تو اس کی تکفیر نہیں کرنی چاہیے۔ اگرچہ اختلاف کی روایت ضعیف

ہی ہو پس ان توضیحات کی روشنی میں کتب فتاوی میں مذکور بہت سے الفاظ کفر ایسے ہیں جن پر کسی کی تکفیر کرنی نہیں چاہیے۔

حضرت علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالی علیہ بحوالہ خیر الدین رملی فرماتے ہیں:

أقول :لو كان الرواية لغير أهل مذهبنا ويدل على ذلك اشتراط كون ما يوجب الكفر مجمعا عليه. اهـ (شامی، جلد سوم، ص:۲۸۹)

روایت اختلاف غیر حنفی عالم کی ہی کیوں نہ ہو۔ سے پتا چلتا ہے کہ تکفیر کے لیے کفر ایسا ہونا چاہیے جس کے کفر ہونے پر مذاہب اربعہ کے علما کا اتفاق واجماع ہو۔

تجاہل عارفانہ:

علامہ شامی وغیرہ اعلام کی عبارتوں میں کفر کے اجماعی ہونے کی شرط سے بعض لوگوں کو شاید یہ دھوکا ہوا کہ اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ کسی آدمی کو جب تک اس وقت کے سارے علما کافر نہ کہیں ۔ اس پر کفر کا فتوی دینا جائز نہیں ۔ جبھی تو وہ بار بار اس بات کا حوالہ دیتے ہیں کہ فلاں شخص پر اس کے معاصرین میں سے صرف فلاں نے تکفیر کا فتوی دیا ہے اور فلاں فلاں نے نہیں۔ حالاں کہ جب تک سب جس کی تکفیر پر متفق نہ ہوں کسی کو اس کے کافر کہنے کا حق نہیں۔

جب کہ علامہ شامی تکفیر کے اجماعی ہونے کی بات نہیں کر رہے ہیں ۔ سبب تکفیر کے اجماعی ہونے کی بات کر رہے۔ اور لفظ مجمعًا تکفیر کی صفت نہیں ہے۔ ما یوجب التکفیر کی صفت ہے۔ جس کا تقاضا یہ ہے کہ اگر کسی کے مُنھ سے ایسا قول ادا ہوا جس کے کفر ہونے پر علمائے اسلام کسی عہد میں بھی اجماع کر چکے ہیں، تو قائل کافر ہو گیا ،چاہے اسے کوئی کافر کہے یا نہ کہے۔ جیسا کہ ہم اوپر اسی عنوان کے تحت نقل کر آئے ہیں کہ قائل نے کلام محتمل پر اگر اس کے کفری معنی ہی مراد لیے تو گو مفتیان کرام اسے کافر نہ کہیں۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک وہ کافر ہو چکا۔ پس اس طرح کسی مسئلہ دینی کا اگر کسی نے انکار کیا جس کا کفر ہونا اجماعی ہے، تو اس کو کافر کہنے والے سے باز پرس نہیں ہوگی۔ اس صریح ارتکاب کفر کے بعد کافر نہ کہنے والے ہی لائق باز پرس و عقاب ہوں گے۔

صریح متبیّن:

اس سے مراد ایسا کلام ہے جس کے ظاہر معنی کفر ہوں مگر دوسرے ایسے غیر ظاہر معنی کی بھی گنجائش ہو جو کفر نہ ہو، یعنی اس کلام کی ایسی قریبی تاویل بھی ہو جس سے اس کلام کے اسلامی معنی صحیح ہو جائیں۔

ایسی صورت میں قائل کی تاویل قبول کرلی جائے گی۔ اور قائل کو کافر نہیں کہا جائے گا۔

مثال نمبر ۱:

جامع الفصولین، ج:۲، ص:۳۲۲، الکبری المیریہ، بولاق، مصر میں ہے:

قال المضروب: "مرا مزن آخر مسلمانم" فقال الضارب: لعنت بر تو و بر مسلمانیٔ تو" یکفر.

ایک شخص کسی کو مار رہا تھا، مار کھانے والے نے کہا مجھے مت مار، آخر میں بھی مسلمان ہی ہوں۔ مارنے والے نے جواب دیا کہ تجھ پر لعنت اور تیری مسلمانی پر لعنت۔ تو مارنے والا کافر ہو گیا۔ (تاتارخانیہ، ج ۴، ص: ۲۷۶ دارالکتب العلمیہ، بیروت)

مثال نمبر ۲:

ردالمحتار، ج:۳، ص:۲۸۹ مکتبہ نعمانیہ میں بحوالہ جامع الفصولین ہے:

أقول وعلى هذا ينبغي أن يكفر من شتم دين مسلم ولكن يمكن التاويل بأن مراده أخلاقه الردية ومعاملته القبيحة لا حقيقة دين الإسلام فينبغي أن لا يكفر حينئذ. والله تعالى أعلم

میں کہتا ہوں اس تقدیر پر مناسب ہے کہ مسلمان کے دین کو گالی دینے والا کافر ہو جائے۔ ہاں اگر قائل یہ تاویل کرے کہ میں نے اپنے قول میں دین اور اسلام کے لفظ سے۔ اس مسلمان کے ردی اخلاق اور برے معاملات مراد لیے ہیں۔ تو تاویل قبول کرلی جائے، اور اس کی تکفیر نہ کی جائے۔

اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ "دین" اور اسلام ان دونوں لفظوں کے لغوی معنی کچھ اور ہیں۔ چناں چہ دین کے معنی بدلہ اور اسلام کے معنی اطاعت وفرماں برداری ہیں۔ لیکن شریعت میں ان الفاظ کو دوسرے معنی کے لیے مختص کردیا گیا، یعنی دین کے معنی قانون الہی، اور اسلام کا معنی اس قانون پر عمل اور اعتقاد قرار دیا گیا۔ بہت دنوں تک یہ الفاظ انھیں معانی میں مستعمل ہوتے رہے۔ اور لغوی معنی مہجور ومتروک ہوگئے۔ جس سے اصطلاح شرع میں ان الفاظ کے معنی حقیقی یہی ہوگئے۔

لیکن بعد میں جب اہل اسلام میں انحطاط کا دور آیا اور بداعتقادیوں اور بدعملیوں کا زور ہوا۔ تو مسلم اور غیر مسلم دونوں نے کبھی بطور طعن وتشنیع اور کبھی بلا طنز کے بھی انھیں مسخ شدہ عقاید واعمال کو دین اور اسلام کہنا شروع کیا۔ اور ان الفاظ کے اس غلط استعمال کے بطن سے ہی ان الفاظ کے یہ نئے مجازی معنی وجود میں آگئے۔ اس طرح عرف عام میں اسلام ودین کے ایک اور معنی بھی ہوگئے۔

اسی لیے صاحب جامع الفصولین فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے دین مسلم کو سب وشتم کر کے اس سے یہ دوسرے مجازی معنی بطور "برعکس نہند نام زنگی کافور" یعنی مسلمانوں کے اعمال بد و اخلاق ذمیمہ مراد لیے۔ تو چوں کہ استعمال ومحاورہ نے اس لفظ کا یہ معنی بھی بنادیا ہے بنابریں اب یہ معنی مراد لینا تاویل قریب ہوگیا، لہذا اس کی بات مان لی جائے گی اور تکفیر نہیں کی جائے گی۔

حضرت علامہ ابن حجر مکی نے بھی "الاعلام بقواطع الاسلام" میں ایسا ہی فرمایا:

فمن قال لآخر: یا عدیم الدین، نقول له: ما الذی أردته بذلك؟ فإن قال: أردت أن ما هو علیه من الدین لا یسمی دیناً، قلنا له: قد کفرت، فإن لم تسلم، وإلا ضربنا عنقك، وإن قال: أردت أنه لا دین له فی المعاملات ونحوها، قلنا: لا کفر علیك، لکن علیك التعزیر الشدید اللائق بك. (ص:۶۵، دار التقوی، سوریا)

جو کسی مسلمان کو "بے دین" کہے گا، ہم اس سے اس کی مراد پوچھیں گے۔ وہ یہ کہے کہ جس پر وہ ہے، وہ دین نہیں ہے۔ تو کہیں گے کہ تم نے کفر کا ارتکاب کیا، اگر اسلام نہیں لاتے ہو تو تمھاری گردن اڑا دینے کا حکم دیں گے۔ اور یہ کہے کہ وہ اپنے معاملات میں بے دین ہے تو ہم کہیں گے تمھارے لیے حکم کفر تو نہیں ہے البتہ! تم سخت تعزیر کے مستحق ہو۔

مثال نمبر ۳:

کسی آدمی نے کسی سے یہ کہا کہ لا تکذب [جھوٹ نہ بولو،] اس پر اس نے کہ دیا قلت من کلمة الاخلاص۔ جسے ایک مفتی نے کفر اتفاقی بتایا۔ علامہ ابن حجر نے "الاعلام بقواطع الاسلام" کے ص:۱۴۹ میں اسے نقل کر کے ص:۱۵۱ پر یہ استدراک فرمایا:

وما ذکره فی المسألة الأخیرة ظاهر إن أراد أن ما قاله الموصوف بالکذب من أجزاء کلمة الإخلاص ،بخلاف ما إذا أطلق لأن اللفظ لیس ظاهراً فی الأول، أو أراد الرد علی من نسبه للکذب بأن ما یقوله حق، کما أن سورة الإخلاص حق، فإنه لا کفر بذلك، کما هو ظاهر لاحتمال اللفظ لذلك احتمالاً قریباً.

اس نے اپنے قول سے کلمہ اخلاص کے جز کا جھوٹ ہونا مراد لیا ہو تو اس کا کفر ہونا ظاہر ہے۔ اس کے برخلاف مِن کی قید کے بغیر مطلق کلمہ اخلاص کہا ہوتا۔ یا، وہ تاویل کرے کہ جس نے اسے جھوٹا قرار دیا تھا اس کے تردید کے لیے کہا کہ میں جو کہ رہا ہوں حق ہے

جس طرح سورۂ اخلاص حق ہے ۔ تو کفر ہونا ظاہر نہ ہوتا کیوں کہ لفظ میں اس معنی کا احتمال قریب ہے۔

"اس میں تاویل قریب کی گنجائش ہے" کا مطلب یہ ہے کہ عربی قوائد اور لغت کی کتابوں میں مِنْ کے معانی سے ایک معنی جزئیت و بعضیت کے تحریر ہیں۔ اس معنی کے اعتبار سے قائل کے قول میں "کلمۃ الاخلاص" کا معنی ظاہر یہی ہوگا کہ یہ قول سورہ اخلاص کا جز ہے۔ جو صریح کفر ہے۔ لیکن انھیں کتابوں میں ایک گروہ کا یہ قول بھی ہے کہ حروف جارہ میں ہر لفظ دوسرے لفظ کی جگہ پر بولا جا سکتا ہے۔ تو اس گروہ کے اس قول کے لحاظ سے لفظ مِنْ بجائے تبعیض کے تشبیہ کے معنی کے لیے ہوگا۔ یعنی دوسرے حرف جر کاف کے معنی میں استعمال ہے۔ تو اب اس قول کے معنی سچائی میں اپنے قول کو قرآن سے تشبیہ دینا ہوگا۔ اور یہ معنی عرب کے ہی ایک گروپ کے نزدیک معتبر ہونے کی وجہ سے قابل قبول ہوا۔

یہی مطلب ہے ہمارے اس قول کا کہ کلام صریح مبین میں تاویل قریب مقبول ہوگی؛ کیوں کہ گرامر، لغت، اور عرف کے لحاظ سے اس معنی کی گنجائش ہے ـــــ یا، اس قول کا کہ کسی قول میں سارے احتمال کفر کے ہوں اور ایک اسلام کا، تو مفتی کو اسلام کے پہلو کی طرف جھکنا چاہیے۔

اور صریح متبین میں احتمال قریب کی گنجائش تو نہیں مگر تاویل بعید نکل سکتی ہو تو جمہور فقہا (عامہ حنفیہ مالکیہ، حنبلیہ اور بہت سے شافعیہ) تاویل بعید قبول نہیں کریں گے اور قائل کی تکفیر کر دیں گے۔ اس کے برخلاف متکلّمین اور محققین فقہائے احناف وغیرہ تاویل بعید قبول کریں گے اور قائل کی تکفیر نہ کریں گے۔

منح الروض میں ہے:

عدم التکفیر مذہب المتکلمین والتکفیر مذہب الفقہاء فلا یتحد

قائل بالنقیضین فلا محذور. (بحوالہ الموت الاحمر، ص:۹۲)

کلام صریح متبین قابل تاویل بعید میں متکلّمین کا مذہب عدم تکفیر ہے۔ اور فقہا کا مذہب تکفیر ہے تو دو متضاد باتوں کے قائل الگ الگ گروہ ہوئے، اس لیے اس میں کوئی استحالہ عقلی نہیں۔

مثال:

أن أميراً بنى بيتاً عظيماً فدخله بعض المجازفين من أهل مكة فقال: قال صلى الله عليه وسلم: (لاَ تُشَدُّ الرِّحَالُ إِلَّا إِلَى ثَلاَثَةِ مَسَاجِدَ) وأنا أقول: وتشد الرحال إلى هذا البيت أيضاً، وقد سئلت عن ذلك. والذى يتحرر فيه أنه بالنسبة لقواعد الحنفية والمالكية وتشديداتهم يكفر بذلك عندهم مطلقاً، وأما بالنسبة لقواعدنا وما عرف من كلام أئمتنا السابق واللاحق، فظاهر هذا اللفظ استدراك على حصره صلى الله عليه وسلم وإنه ساخر به وأنه شرع شرعاً آخر غير ما شرعه نبينا صلى الله عليه وسلم وأنه ألحق هذا البيت بتلك المساجد الثلاثة فى الاختصاص على بقية المساجد بهذه المزية العظيمة التى هى التقرب إلى الله تعالى بشد الرحال إليها، وكل واحد من هذه المقاصد الأربعة التى دلّ عليها هذا اللفظ القبيح الشنيع كفر بلا مرية، فمتى قصد أحدها فلا نزاع فى كفره.

وإن أطلق فالذى يتجه الكفر أيضاً لما علمت أن اللفظ ظاهر فى الكفر، وعند ظهور اللفظ فيه لا يحتاج إلى نية كما علم من فروع كثيرة مرّت وتأتى.

وإن أُوِّل بأنه لم يرد إلا أن هذا البيت لكونه أعجوبة فى بلده يكون ذلك سبباً لمجىء الناس إلى رؤيته، كما أن عظمة تلك المساجد اقتضت شد الرحال إليها قُبِلَ منه ذلك، ومع ذلك فيعزر التعزير البليغ بالضرب والحبس وغيرهما بحسب ما يراه الحاكم، بل لو رأى

إفضاء التعزير إلى القتل كما سيأتي عند أبي يوسف، لاراح الناس من شره ومجازفته فإنه بلغ فيهما الغاية القصوى.

ایک امیر نے ایک محل تعمیر کرایا۔ اہل مکہ کا ایک بڑھا نکنے والا وہاں پہنچا اور کہنے لگا کہ رسول اللہ ﷺ نے تو فرمایا ہے کہ تین مسجدوں کے علاوہ کا سفر نہ کیا جائے، میں کہتا ہوں کہ اس گھر کا بھی قصد سفر کیا جائے۔

مجھ سے اس قول کے بارے میں پوچھا گیا تو میں نے جواب دیا کہ احناف اور مالکیوں کے سخت احکام کو دیکھتے ہوئے اس کا حکم کفر ہے۔ لیکن ہمارے اصول اور ہمارے ائمہ سلف وخلف کے قول کے مطابق اس کلام کا ظاہر تو (۱) حضور ﷺ کے کلام کو رد کرنا ہے (۲) اور آپ کے کلام کا مذاق اڑانا بھی (۳) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت کے علاوہ نئی شریعت گھڑنا ہے (۴) اس محل کو رتبہ میں ان تینوں مسجدوں کے برابر کر دینا ہے کہ جس طرح ان مساجد کی طرف سفر کرنا عبادت ہے۔ اس محل کی طرف سفر کرنا بھی عبادت ہے۔

جب کہ ان چار باتوں میں سے ہر ایک کفر ہے۔ تو ان میں سے جو معنی بھی اس نے مراد لیا ہو کفر ہے۔ اور اگر یہ جملہ مطلق بلا کسی ارادہ کے بولا ہو تو بھی کفر ہے کہ اس جملہ کا ظاہر کفر ہے۔ اور لفظ کے ظاہری معنی کفر ہونے کی صورت میں نیت کی ضرورت نہیں جیسا کہ بہت ساری مثالوں سے ظاہر ہو چکا ہے۔

اگر وہ یہ تاویل کرے کہ میں اس کے سوا کچھ مراد نہیں لیا تھا کہ اس گھر کے عجیب وغریب ہونے کی وجہ سے لوگ اس کو دیکھنے کے لیے بھی سفر کریں گے جیسا کہ ان تینوں مسجدوں کی عظمت ان کی طرف سفر کی متقاضی ہے، تو یہ تاویل بعید بھی مان لی جائے گی۔ مگر تاویل مان لینے کے باوجود حاکم تعزیر کے طور پر جیسا مناسب سمجھے اسے ضرب وحبس وغیرہ کی سزا دے حتی کہ قتل تک کا حکم دینا مناسب ہو تو یہ بھی کر سکتا ہے۔ جیسا کہ امام ابی یوسف سے مروی ہے؛ کیوں کہ اس نے یادہ گوئی کی حد کر دی ہے۔

حضرت ابن حجر رحمۃ اللہ تعالی علیہ کی اس عبارت میں اس امر کی تصریح ہے کہ اس قول کا ظاہر کفر ہے اور اس امر کا بھی اظہار ہے کہ قول کی کوئی قریبی تاویل نہیں۔ جبھی تکفیر کے لیے معنی کفری مراد ہونے کی شرط کی نفی کی۔ اور فقہاے احناف واصحاب امام کی طرف سے جو تاویل بعید قبول نہیں کرتے، اس قول کے مطلقاً کفر ہونے کا فتوی لگایا۔ البتہ متکلّمین وشوافع کی طرف سے جو احتیاطاً ضعیف سے ضعیف تاویل قبول کرتے ہیں۔ تاویل کے قبول کرنے کا حکم دیا کہ اگر وہ تاویل کرے کہ میں نے اس کے سوا کچھ مراد نہیں لیا تھا کہ اس گھر کے عجیب وغریب ہونے کی وجہ سے لوگ اس کو دیکھنے کے لیے بھی سفر کریں گے۔ جیسا کہ ان تینوں مسجدوں کی عظمت ان کی طرف سفر کی متقاضی ہے۔ تو یہ تاویل ضعیف بھی مان لی جائے گی۔

اس تاویل کے ضعیف اور بعید ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس قول شنیع کے تمام الفاظ و قرائن سے تو یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ قائل نے رسول اللہ ﷺ کے حکم شرعی کے خلاف اپنا شخصی حکم دیا۔ اب ان سب الفاظ و قرائن کے علی الرغم اپنے قول کے حکم ہونے سے انکار کر کے، اس کے خبر اور قیاس آرائی ہونے کا دعوی کر رہا ہے جو ایک بے دلیل بات ہے۔ ہاں ایک ادنی امکان یہ ہے کہ اس نے اپنے قول میں اپنے لیے حکم وامر کا صیغہ استعمال نہیں کیا۔ خبر اور مضارع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔ لیکن ان قرائن کے مقابلہ میں یہ بھی نہایت کمزور بات ہے، کیوں کہ فقہائے اسلام کے محاورہ میں عام طور سے خبر کا صیغہ بھی امر وانشا کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ بلکہ جو امر و حکم بصیغہ خبر بیان کیا جائے وہ موکد ہوتا ہے۔ مگر معاملہ چوں کہ تکفیر مسلم کا ہے، اس لیے متکلّمین نے اس ضعیف وبعید امکان کا بھی لحاظ کیا۔

پھر تاویل قبول کرنے کا مطلب یہ نہیں کہ قائل کو ایسی یاوہ گوئی کہ کھلی چھوٹ دے دی جائے بلکہ حاکم اسے سخت سزا دے، کوڑے لگائے، جیل بھیجے۔ تا آنکہ مناسب سمجھے تو اسے قتل بھی کرا سکتا ہے کہ اس نے یاوہ گوئی کی انتہا کر دی ہے۔

مثال نمبر۲:

امام احمد رضا فاضل بریلوی رضی اللہ تعالی عنہ نے تحریر فرمایا کہ مسلم، ابوداؤد و ترمذی حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے راوی کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں:

جس کسی مسلمان نے اپنے مسلمان بھائی کو کافر کہا تو کفران دونوں میں سے ایک پر لوٹتا ہے۔ جس کو کافر کہا اگر فی الواقع وہ کافر ہے تو خیر، اور وہ کافر نہ ہو تو کفر کہنے والے پر لوٹتا ہے۔

اس حدیث کی روشنی میں اکابر ائمہ مثل ابوبکر اعمش وغیرہ عام علمائے بلخ اور بعض ائمہ بخارا نے اس حکم کو یوں ہی مطلق رکھا۔ اور مسلمان کی تکفیر کو علی الاطلاق کفر جانتے ہیں۔

وہ حضرات اس کی توضیح یہ کرتے ہیں کہ جس کو کافر کہا گیا حقیقت میں وہ مسلمان ہے۔ تو قائل اس کو کافر کہہ کے حقیقت میں دین اسلام کو کفر کہہ رہا ہے۔ ملتقطاً

(رسالہ "النہی الاکید" مندرجہ فتاوی رضویہ قدیم، سوم)

ائمہ شافعیہ میں سے امام ابو اسحاق اسفرائنی نے فرمایا:

جو ہمیں کافر کہے گا ہم اس کو کافر کہیں گے۔

اس پر ابن مقری کے ایک جواں سال شاگرد نے اعتراض کیا کہ آپ نے اس عبارت کا جو یہ مطلب بیان کیا کہ تم مسلمان نہیں، میں مسلمان ہوں، اس کا ایک یہی مطلب نہیں ہے۔ یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ تم اس دین اسلام پر نہیں ہو جو حق ہے، تم نے تو غیر اسلام کو اپنا دین بنا رکھا ہے؛ اس لیے کافر ہو، صحیح اسلام تو میرا ہے اس لیے میں

مسلمان ہوں۔ اس صورت میں یہ قول کفر واسلام دونوں کا محتمل ہو گیا۔ اور احتمال کی صورت میں علی الاطلاق کافر کہنا درست نہیں ہو سکتا۔ ورنہ یہ تو ایسا ہی ہو جائے گا جیسے کوئی کسی عابد کو یا فاسق کہہ دے تو اس کی تکفیر کر دی جائے کہ اس نے فاسق کہہ کر عبادت کو فسق قرار دے دیا۔ حالاں کہ اس نے عبادت کرنے والے کے عمل کو فاسقانہ کہا ہے، عبادت کو فسق نہیں قرار دیا ہے۔

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی فرماتے ہیں، پھر بھی یہاں ایک دقیقہ ہے، یعنی:

وانما محل الاكفار باكفار المسلم اذاكان ذلك لاعن شبهة أو تأويل والا فلا... ألا ترى أن الخوارج خذلهم تعالى قداكفروا اميرالمؤمنين ومولى المسلمين عليا رضى الله تعالىٰ عنه ثم هم عندنا لايكفرون كما نص عليه فى الدرالمختار والبحر الرائق. ورد المحتار وغيرها من معتمدات الاسفار. (فتاوی رضویہ، جلد سوم، ملخصًا)

کسی مسلمان کے کافر قرار دینے پر کسی کو اس وقت کافر قرار دیا جا سکتا ہے جب اس میں کوئی تاویل یا شبہہ نہ ہو، ورنہ نہیں۔۔۔ کیا آپ نہیں جانتے کہ خوارج نے امیر المومنین مولائے مسلمین علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کافر قرار دیا پھر بھی وہ ہمارے نزدیک کافر نہیں جیسا کہ اس پر در مختار، بحر الرائق، رد المحتار وغیرہ معتبر کتابوں میں تنصیص ہے۔

یہ سب کو معلوم ہے کہ خارجیوں نے حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کی تکفیر اس لیے کی تھی کہ انھوں نے قصہ صفین میں حضرت ابو موسی اشعری رضی اللہ تعالی عنہ کو حَکَم قرار دیا تھا اور خارجیوں کا کہنا تھا کہ آپ نے قرآن عظیم کے حکم: ﴿اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ﴾ کا خلاف کیا۔ اور قرآن کی مخالفت کفر ہے۔ ہر چند کہ ان کا یہ قول غلط اور اس کے یہ معنی قرار دینا گمراہی۔ لیکن انھوں نے مولی علی رضی اللہ تعالی عنہ کی تکفیر کے لیے ایک من مانی تاویل نکالی

توحدیث مذکورہ بالا: "من كفر مسلما فقد باء به أحدهما" کے وعید میں داخل نہیں ہوئی۔ اس لیے محققین علماے اسلام نے انھیں گمراہ بددین توکہا مگر کافر نہ کہا۔

اس تفصیل سے ظاہر ہوا کہ جس کلام میں کفری معنی واضح ہوں اور تاویل قریب نہ ہو تو ایسے کلام پر ظاہر کالحاظ کر کے علما کا ایک گروہ (فقہا) کفر کا فتوی دیتا ہے اور تاویل بعید کا اعتبار نہیں کرتا۔ ہاں دوسرا گروہ متکلّمین کا ایسے تاویل بعید کا بھی لحاظ کر کے تکفیر سے کف لسان کرتا ہے۔

اس کو بھی یوں بیان کرتے ہیں:

لا جرم تاویل صحیح اگرچہ کتنی ہی بعید ہو، متکلّمین قبول کریں گے۔

کبھی یوں کہتے ہیں کہ

جب تک ضعیف سا ضعیف احتمال ملے گا حکم کفر جاری کرتے ڈریں گے۔

ظاہر ہے کہ یہ سکوت اور کف لسان صرف متکلّمین کا مذہب ہے، فقہا نے تو کفر کا فتوی دیا اور ان کے اسی فتوی کے پیش نظر ایسے لوگوں کے لیے عام کتب فقہ میں مندرجہ ذیل مسئلہ رقم ہوا:

ما يكون كفرا اتفاقا يبطل العمل والنكاح وأولاده أولاد زنا، وما فيه خلاف يؤمر بالاستغفار والتوبة وتجديد النكاح.

جس کا کفر اتفاقی ہو اس کے سارے اعمال اکارت ہوں گے اور نکاح باطل ہوگا اور اس حالت میں اختلاط سے جتنے بچے پیدا ہوئے سب ولد الزنا ہوئے۔ اور جس کے کفر میں اختلاف ہے، اس کو بھی قاضی توبہ اور استغفار اور دوبارہ نکاح پڑھانے کا حکم دیگا تاکہ عورت کے ساتھ اس کا اختلاط سب کے نزدیک حلال ہو جائے۔

متکلّمین کے سکوت اور کف لسان پر غرہ ہونا بڑی بد نصیبی کی بات ہے۔ حضرت ابن حجر ہیتمی فرماتے ہیں:

الصواب أنه لا يكفر في مسألتي التشبيه انتهى. ولا يغتر بذلك وإن فعله أكثر الناس حتى من له نسبة إلى العلم، فإنه يصير مرتداً على قول جماعة، وكفى بهذا خساراً وتفريطاً. (الإعلام بقواطع الإسلام)

اگرچہ صحیح یہ ہے کہ تشبیہ کے مذکورہ دونوں مسئلوں میں تکفیر نہیں ہوگی۔ مگر اس پر خوش نہ ہوا جائے اگرچہ بہت سے لوگ یہاں تک کہ بعض علما کہلانے والے بھی اس میں مبتلا ہوئے؛ کیوں کہ علما کی ایک جماعت کے نزدیک یہ ارتداد ہے جو ہلاک و برباد کرنے کے لیے کافی ہے۔

اور اس ہلاکت و بربادی کی تفصیل گذشتہ صفحات میں علامہ ابن حجر کی " الاعلام بقواطع الاسلام " کے حوالے سے گزر چکی کہ " تاویل قبول کرنے کے باوجود حاکم جیل میں ڈالے، کوڑے لگوائے اور ضرورت سمجھے تو قتل کی سزا بھی دے سکتا ہے۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں کہ گروہِ متکلّمین بھی جو کفر فقہی پر تکفیر نہیں کرتے، اُن پر سختی و تنگی روا رکھتے ہیں۔

لكنهم يغلظ عليهم بوجيع الادب وشديدالزجر والهجر حتى يرجعواعن بدعتهم . (جلد دوم، ص: ۲۹۴)

ایسا کرنے والے جب تک اپنی گمرہی سے رجوع نہیں کر لیتے، تکفیر نہ کرنے والے حضرات بھی تکلیف دہ تادیب، اور شدید زجر و توبیخ کے ذریعہ سختی فرماتے اور ان کا بائکاٹ کرتے ہیں۔

صریح متعین:

ایسا کلام جس میں تاویل کے تمام دروازے (قریب و بعید) بند ہوں، قائل خود

بچنے کے لیے تاویل متعذر کا سہارا لیتا ہے جو حقیقتاً تاویل نہیں تغییر و تبدیل ہے تو اس قول پر فقہا و متکلّمین دونوں فریق کفر کا حکم لگاتے ہیں۔ اور قائل کے تاویل کی قطعا پرواہ نہیں کرتے۔

مثال نمبر۱:

قاضی عیاض کی ''شفا'' اور ملا علی قاری کی '' شرح'' میں ہے:

[وقال] ابن أبی سلیمان [فی رجل قیل له] رداً لماقاله :[لَا وَحَقِّ رَسُولِ اللّٰهِ؛ فَقَالَ فَعَلَ اللّٰهُ بِرَسُولِ اللّٰهِ كَذَا وَكَذَا وَذَكَرَ كَلَامًا قَبِيحًا، فقيل له :ما تقول ياعدوالله ! فی حق رسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم. فقال أشدّ مِنْ كَلَامِهِ الْأَوَّلِ.

ثُمَّ قَالَ: إِنَّمَا أَرَدْتُ برسول الله العقرب؛] فإنه أرسل من عند الحق وسلط علی الخلق تأویلاً للرسالة العرفية بالإرادة اللغوية وهو مردود عند القواعد الشرعية [فقال ابن أبی سلیمان للذی سأله : اشهد علیه وأنا شریکك فی قتله وثواب ذلك. [قال حبیب بن الرّبیع؛ لأنّ ادّعاء التّأویل فی لفظ صراح [معناه خالص لا لبس فیه ولا قرینة تنافیه فیکون دعوی مجردة خالية عن علامة [لا یقبل] ادعائه ؛ [لأنّه امتهان] غیر معزّر لرسول الله صلی الله تعالی علیه وسلم ولا موقّر له] حیث غیر وصفه الخاص به وارادبه حیواناً استحق مهانة. [فوجب اباحة دمه] لتقصیره فی توقیره.

ایک شخص نے دوسرے شخص سے کچھ کہا تو دوسرے شخص سے نے جواب میں کہا : قسم رسول اللہ کی !ایسا نہیں ہے ۔اس پر پہلے شخص نے رسول اللہ کے بارے میں کچھ نازیبا کلمات کہہ دیے اور بری بات بک گیا۔ تو دوسرے شخص نے کہا: او خدا کے دشمن !رسول اللہ کے بارے میں ایسا بکتے ہو! اس پر اس نے پہلے سے سخت باتیں کہیں۔ پھر تاویل کرنے لگا کہ میں نے رسول اللہ کے تعلق سے جو الفاظ کہے ہیں اس میں رسول اللہ سے میری

مراد حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی ذات نہیں ، بلکہ بچھو ہے ؛کیوں کہ بچھو کو بھی خدا نے ہی بھیجا اور انسانوں پر مسلط کیا ہے۔ یعنی اس کے بقول رسول اللہ کے لفظ سے اصطلاحی معنی میں رسول مراد نہیں، لغوی معنی رسول مراد ہے۔ جو قواعد شرعیہ کے مطابق مردود ہے۔

جب حضرت ابن ابی سلیمان سے استفتا ہوا تو آپ نے سائل سے فرمایا: اسے قاضی کے ہاں لے چلو، اس کے قتل کرانے اور اس پر جو اجر و ثواب ملے گا، اس میں مَیں بھی تمھارا شریک ہوں ۔ حضرت حبیب بن ربیع نے فرمایا: اس لیے کہ صریح لفظ میں اس کا دعویٔ تاویل ناقابل قبول ہے ؛کیوں کہ اس میں صراحتًا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی توہین ہے۔ اس شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عزت و توقیر سے کھلواڑ کیا اور آپ کی صفت خاص (رسالت) بول کر جانور مراد لیا اس لیے وہ مباح الدم ہے، اور اس کو قتل کیا جانا واجب ہے۔

حوالہ نمبر ۱:

قال ابن سحنون المالکی: أجمع العلماء أن شاتمه کافر، وحکمه القتل، ومن شك فی عذابه وکفره فقد کفر.

(جامع الوجیز معروف بہ فتاوی بزازیہ، ج:٦، ص:٣٢٢ مکتبہ زکریا)

ابن سحنون مالکی کہتے ہیں: اس بات پر علما کا اجماع ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی توہین و تنقیص کرنے والا کافر ہے اور اس کا حکم قتل ہے۔

اور اس کفر کا حکم یہ ہے کہ جس مفتی کے نزدیک یہ ثابت ہو جائے تو اس کے قائل کی تکفیر اس پر واجب ہے۔

حوالہ نمبر ۲:

ثم ما یتیقن أنه ردة یحکم بها.

پھر اگر کسی کے کفر وارتداد پر مفتی کو یقین ہو جائے تو وہ اس کے کافر و مرتد ہونے کا حکم دے گا۔

حوالہ نمبر ۳:

اگر خان صاحب کے نزدیک بعض علمائے دیوبند واقعی ایسے ہی تھے جیسا کہ انھوں نے انھیں سمجھا تو خان صاحب پر ان علمائے دیوبند کی تکفیر فرض تھی۔ اگر وہ انھیں کافر نہ کہتے تو خود کافر ہو جاتے۔ (اشد العذاب مصنفہ مولوی مرتضی حسن دربھنگی، ص:۲۱)

اس کفر کا ایک حکم یہ بھی ہے کہ ایسے شخص کے تمام اعمال اکارت، نکاح باطل اولاد ولد الزنا۔ اور اس پر توبہ، تجدید اسلام اور تجدید نکاح لازم۔ اور توبہ نہ کرے تو اسلامی حکومت میں اس کا حکم قتل ہے۔

الغرض علما کے ارشاد: ادعاء التاویل فی لفظ صراح لایقبل [صریح میں تاویل کا دعوی مسموع و مقبول نہیں] میں صریح اگر کلامی ہے یعنی تاویل بعید بھی نہیں ہوتی ہے تو فقہا و متکلّمین کسی کے نزدیک مسموع و مقبول نہیں۔ اور تاویل بعید تو ہوتی ہے مگر تاویل قریب نہیں ہوتی تو صرف فقہا کے نزدیک مقبول و مسموع نہیں۔ البتہ متکلّمین اس تاویل بعید کو قبول کرتے ہیں۔